غالبؔ کا ایک مشّاق شاگرد

بالمکند بے صبرؔ

(حیات اور انتخابِ تصانیف)

کالی داس گپتا رضاؔ

ساکار پبلشرز پرائی ویٹ لمیٹڈ بمبئی

غالبؔ کا ایک مشّاق شاگرد

بالمکند بےصبرؔ

(حیات اور انتخابِ تصانیف)

کالی داس گپتا رضاؔ

آپ ہمارے کتابی سلسلے کا حصہ بن سکتے
ہیں مزید اس طرح کی شان دار،
مفید اور نایاب کتب کے حصول کے لئے
ہمارے وٹس ایپ گروپ کو جوائن کریں

ایڈمن پینل

عبداللہ عتیق : 03478848884
سدرہ طاہر : 03340120123
حسنین سیالوی : 03056406067

ساکار پبلشرز پرائی ویٹ لمیٹڈ بمبئی

پہلا ایڈیشن : ۱۹۹۲ء
مصنف : کالی داس گپتا رضا
پبلشرز : ساکار پبلشرز پرائیویٹ لمیٹڈ
جولی بھون نمبر ۱، ۱۰ نیو مرین لائنز
بمبئی ۴۰۰۰۲۰
پرنٹر : ملٹی پرنٹ، بمبئی ۴۰۰۰۰۸
قیمت : ۹۰ روپے
تعداد : پانچ سو

Hasnain Sialvi

ڈاکٹر مختار الدّین احمد
کے نام

Hasnain Sialvi

فہرست

انتساب ____ ص ۴
احوال و آثارِ بے صبر ____ ص ۵
تلامذۂ بے صبر ____ ص ۳۱
بے صبر اور تلمذ غالب ____ ص ۳۶
مثنوی لختِ جگر ____ ص ۴۷
مثنوی اخگرِ عشق ____ ص ۶۱
رسالہ بدیع البدایع ____ ص ۶۶
توقیتِ بے صبر ____ ص ۱۰۱
کلیاتِ بے صبر ____
(کوائف اور انتخابِ غزلیات) ص ۱۰۳
تا
ص ۱۴۰

Hasnain Sialvi

احوال و آثارِ بے صبرؔ

بے صبرؔ کا کچھ حال مثنوی لختِ جگر (سالِ تکمیل پہلی روایت ۱۸۳۷ء، دوسری روایت ۱۸۵۹ء)، رسالہ بدیع البدایع (سالِ تکمیل ۱۸۷۰ء) اور کلیاتِ بے صبرؔ (قلمی) سے، ان کی اپنی زبانی سنیے

ولادت

مرا سالِ ولادت ہندوی میں
جو کوئی صورت و معنی میں پاوے
تو کر دے قافیہ کو دور تا ہاتھ
ہزار دہشت صد شست و نہ آوے [۱]

۱۸۶۹ بکرمی

---

[۱] رسالہ بدیع البدایع ۔ ص ۴۴۴ ۔ (۱۸۶۹ بکرمی = ۱۴ر مارچ ۱۸۱۲ء تا یکم اپریل ۱۸۱۳ عیسوی = ۲۹ صفر ۱۲۲۷ھ تا ۲۸ر ربیع الاوّل ۱۲۲۸ ہجری)

(۱)

ہے بال مکند نام رنجور
بے صبرؔ تخلص اپنا مشہور
کایتھہ ہوں قوم کا میں ناشاد
ہے میرا وطن سکندرآباد
دلّی سے دوآب میں سوے شرق
ہے بیسؔ کروہ کا اُسے فرق[1]

نام
تخلّص
قوم
سکونت
تعلیم
استاد
تصانیف

(۲)

بندہ نیاز مند بالمکند۔ المتخلّص بہ بے صبرؔ، قوم کایتھہ رہنے والا قصبۂ سکندرآباد علاقہ ضلع بلند شہر کا عرض کرتا ہے کہ بعد تحصیل علومِ درسی و رسمی کے مجکو شوق انشا پردازی و سخن طرازی کا دامنگیرِ حال ہوا۔ اور زانوے ادب خدمت حضرت اُستادی مولانا مرزا اسداللہ خان صاحب غالبؔ دہلوی میں طے [تہہ] کر کے مدّتوں خونِ جگر کھایا اور مشقِ سخن کو صاف کر کے سرمایہ دو دیوان اور تین مثنوی کا زبان اردوے معلّیٰ میں اور ایک دیوان فارسی بہم پہنچایا[2]

---

[1] مثنوی لختِ جگر۔ ص ۹

[2] رسالہ بدیع البدائع۔ ص ۱

چند
اوّلین
قطعہ ہائے
تاریخ

(۱)

قطعۂ تاریخِ وفات شولعل طبیب سکندرآبادی[1]

مسیحِ عصر و فلاطونِ عہدِ خود شولعل
چو از قضائے الٰہی شدہ بہشت نصیب
بہ فکرِ سالِ وفاتش دلم تردّد داشت
ندا ز غیب برآمد "طبیب بود غریب"

۱۲۴۷ھ

(۲) ایضاً رباعی

بےصبرؔ چو از جہان شد آں یارِ قدیم ∴ در شہر و دیار گشت اندوہِ عظیم
دل از سرِ وسواس بتاریخش گفت ∴ ہیہات جواں بمرد شولعل حکیم

۶ + ۱۲۴۱ = ۱۲۴۷ھ

(۳)

قطعۂ مولد پسرِ شادی لعل

ہوا جو طفل تولّد بساعتِ مسعود ∴ بلند بخت، مبارک قدم، خجستہ لقا
جب اس سے سالِ ولادت طلب کیا بےصبرؔ ∴ تو مجھ سے دل نے کہا "نونہالِ باغِ لقا"[2]

۱۲۴۸ھ

---

[1] کلیاتِ بےصبرؔ (قلمی)۔ (۱۲۴۷ھ = ۱۸۳۱ء = ۱۸۸۷ب)۔ بعمر ۱۸ سال
[2] 〃 〃 (قلمی)۔ (۱۲۴۸ھ = ۱۸۳۲ء = ۱۸۸۸ب)۔ بعمر ۱۹ سال

(۴)

قطعۂ تاریخ مولد پسر منشی جہانگیری لعل

پسرے خوش قدم و خوش طالع   چوں بوقتِ سحر آمد بوقوع
گفت بے صبر بسالِ عیسی   شدہ خورشیدِ جہانگیر طلوع[1]

۱۸۳۳ء

سالِ تکمیل مثنوی لختِ جگر روایتِ اوّل

لختِ جگر اس نے نام پایا
۱۲۵۳ھ

نام و سنِ اختتام پایا
فکرِ سنِ عیسوی جو آیا
بالغ خرد اس کا سال پایا[2]
۱۸۳۷ء

چھوٹے بھائی نے بھی تاریخ کہی

ہے میرا (ایک) چھوٹا بھائی
اس کو جو یہ بول چال بھائی
تاریخ کا کر کے فکر فی الحال
مرغوبہ کہا کہ اس کا ہے سال[3]
۱۲۵۳ھ

---

[1] کلیات بے صبر (قلمی)۔ (۱۸۳۳ء = ۱۸۸۹ب = ۱۲۴۹ھ)۔ بعمر ۲۰ سال۔
[2] مثنوی لختِ جگر (مطبوعہ ص ۹) بعمر ۲۴ سال
[3] مثنوی لختِ جگر (مطبوعہ ص ۱۴۲)، اگر بھائی دو سال چھوٹے تھے تو گویا انہوں نے مادہ ۲۲ سال کی عمر میں نکالا۔

دوسرے بیٹے
کشن سروپ کا
سالِ ولادت

میلادِ کشن سروپ کے وقت
تھا مَیں مے خوری سے سرمست
تھے ظاہری معنوی میں ہجری
سن ایک ہزار و دو صد و شصت[1]

۱۲۶۰ھ

تیسرے بیٹے
برہما سروپ کا
سالِ ولادت

خدا کے فضل سے برہما سروپ میرا پسر
ہوا بساعتِ فرخندہ جس زمان پیدا
یہ آئی غیب سے آواز سالِ ہندی میں
پسر یہ واہ ہوا فخرِ خانداں پیدا[2]

۱۹۰۴ب

چوتھے بیٹے
بینی سروپ کا
سالِ ولادت

فرزند چارمیں چو بمن داد کردگار
ہر دم زدیدنش دلِ من شاد مے شود
بے صبر چوں بظاہری و معنوی شمرد
سالِ ہزار و دو صد و ہفتاد مے شود[3]

۱۲۷۰ھ

---

[1] کلیاتِ بے صبر (قلمی)۔ (۱۲۶۰ھ = ۱۸۴۴ء = ۱۹۰۰ب) بعمر ۳۱ سال

[2] " " " " (۱۹۰۴ب = ۱۸۴۸ء = ۱۲۶۴ھ) بعمر ۳۵ سال

[3] کلیاتِ بے صبر (قلمی)، اور رسالہ بدیع البدایع ص ۳۲۔ (۱۲۷۰ھ = ۱۸۵۴ء = ۱۹۱۰ب) بعمر ۴۱ سال۔

اصلاحِ دیوانِ بےصبرؔ از غالبؔ

جب حضرتِ غالبؔ نے دی اصلاح اس دیوان کو
بےصبرؔ کامل ہوگیا اور معتبر میرا سخن
بعد از شُکرِ اصلاح ہیں اب ظاہری و معنوی
سالِ ہزار و دو صد و ہفتاد و چار اے جانِ من[1]

(۱۲۷۵-۱) = ۱۲۷۴ھ

تاریخ مثنوی اخگرِ عشق

جس کا سن لالۂ پُر داغ ملا
۱۲۷۳ھ
پر وہ لالہ بسرِ باغ ملا
۲

۱۲۷۳+۲ = ۱۲۷۵ھ[2]

مثنوی لختِ جگر روایتِ ثانی

اب ہے جو یہ سال سالِ مسعود[3]
ترمیم کیا پھر اس کو میں نے
آراستہ کر دیا اب اس کو
غالبؔ کی نگاہ سے گذر کر
۱۲۵۳
تصنیف کا سال تھا "جگر لخت"

بارہ سو پر پچھتر افزود
ترتیب دیا پھر اس کو میں نے
پیراستہ کر دیا اب اس کو
بےعیب یہ ہو گئی سراسر
۱۲۷۵
ترمیم کا سن "زبے میرا بخت"

---

[1] کلیاتِ بےصبرؔ (قلمی)۔ (۱۲۷۴ھ = ۱۸۵۸ء = ۱۹۱۴ب) بعمرِ ۴۵ سال

[2] رسالہ بدیع البدائع ص ۳۲۔ (۱۲۷۵ھ = ۱۸۵۹ء = ۱۹۱۵ب) بعمرِ ۴۶ سال

[3] مثنوی لختِ جگر (مطبوعہ ص ۱۰)

سب سے بڑے بیٹے ہرسروپ کا سالِ وفات

مر گیا جب نوجواں لڑکا ہمارا ہرسروپ
ہر طرف تھا اس کے غم میں شور و غوغا ہائے ہائے
سالِ تاریخِ وفات اس کا دلِ بے صبرؔ نے
سنِ ہجری میں کہا "ہے ہے دریغا وائے وائے"[1]

۱۲۷۹ھ

ایضاً

رخصت ہوا جہاں سے جب ہائے ہرسروپ
ماتم میں اس کے سب کو ہوا رنج اور تعب
بے صبرؔ مجھ کو فکر تھی سالِ وفات کی
عیسیٰ نے دی ندا کہ ہوا ہائے کیا غضب[2]

۱۸۶۲ء

نبیرۂ بے صبرؔ رام چندر سروپ کا سالِ ولادت

نبیرہ میرے جب بے صبرؔ پیدا
ہوا وقتِ سعید و ساعتِ نیک
عدو کا جو قدم ہے درمیاں ہیں
ہزار و دو صد و ہشتاد اور ایک

۱۲۷۷ھ

یعنی ۴ + ۱۲۷۷ = ۱۲۸۱ھ[3]

---

[1] کلیاتِ بے صبرؔ (قلمی) : ۱۲۷۹ھ = ۱۸۶۲ء = ۱۹۱۸ب) رسالہ بدیع البدایع میں تمام قطعے کا آخری مصرع بلفظہ پیٹ کر سر کو کہا "ہے ہے دریغا وائے وائے"، بعمر ۴۹ سال

[2] کلیاتِ بے صبرؔ (قلمی)

[3] 〃 〃 (۶) ؛ ۱۲۸۱ھ = ۱۸۶۵ء = ۱۹۲۱ب) بعمر ۵۲ سال

تاریخِ وفات مرزا غالبؔ استادِ بے صبرؔ

ہماں میرزا غالبؔ اوستادِ من
بجاں آفریں جاں چو آخر سپرد
بپرسیدم از دل سنِ رحلتش
بنالید و گفت آہ غالبؔ بمرد[1]

۱۲۸۵ھ

ایضاً

اسد اللہ خاں وہ غالبؔ آہ
جس سے اہلِ کلام تھے مغلوب
جب سدھارے بسوے خلد ہوے
سخن ان کے الم میں سینہ کوب
اس سپہرِ سخن کے اختر کا
مجھ کو سالِ غروب تھا مطلوب
کہا عیسیٰ نے از سرِ حسرت
ہوا حیف آفتابِ ہند غروب

۱۸۶۱ء

۸ + ۱۸۶۱ = ۱۸۶۹ء

تکمیل رسالہ بدیع البدایع

آخر کار یہ سال ہزار و نہصد و بست و شش ہندی مطابق ہزار و دو صد و ہشتاد و شش ہجری موافق سن ہزار و ہشت صد و ہفتاد عیسوی کے کہ یہ قطعہ مخبر تاریخ اوسکا ہے قطعہ تعمیہ:

---

[1] کلیات بے صبرؔ (قلمی)۔ (۱۲۸۵ھ = ۱۸۶۹ء) بعمر ۵۶ سال

پئے تاریخ ختم این رسالہ ؎ بسالِ عیسوی دل در شمار است ؎ بگویم از سرِ بہجت کہ بے صبر ؎ بنامِ ایزد عجب باغ و بہار ۱۸۶۸ است۔ یہ مختصر رسالہ بہ ترتیب تین فصل کے اختتام کو پہنچایا اور نام اس کا بدیع البدایع رکھا[1]

سالِ طباعت
مثنوی
لختِ جگر

چھپی جب کہ بے صبر لختِ جگر
مجھے فکر تھی اس کی تاریخ کی
یہ دی سالِ ہجری میں دل نے ندا
اہاہا یہ کیا خوب ہے مثنوی

۱۲۸۸ھ

ایضاً

طبع شد چوں مثنوی لختِ جگر بے صبر گفت
ہر کسے بیند بصد جان و دلکش شیدا شود
دور از اعداد مصرع لفظ یکے آں کن عدد
یک ہزار و ہشتصد و ہفتاد و یک پیدا شود

۱۸۷۱ء [2]

سالِ وفات
بینی سروپ
پسر بے صبر

مرگیا بیٹا مرا بینی سروپ کیا تھا اور ہائے مرے رب! کیا ہوا
مہرِ غروب اپنا ہوا صبحدم روز مرا ہو گیا شب، کیا ہوا

---

[1] رسالہ بدیع البدایع۔ ص ۲ (۱۹۲۶ب، ۱۲۸۷ھ = ۱۸۷۰ء) بعمر ۵۷ سال

[2] مثنوی لختِ جگر (مطبوعہ ص ۲۴۲) بعمر ۵۸ سال

سالِ وفات اس کا جو بے صبر تو   پوچھے ہے سمبت میں کہ کب کیا ہوا
عالمِ فانی سے ہو بیدل وہ ماہ   چھپ گیا ہے ہے یہ غضب کیا ہوا

۱۹۳۱-۱ = ۱۹۳۰ ب

ازسرِ افسوس سنِ عیسوی   ہے یہی یہ شور و شغب کیا ہوا

۱۸۷۲ + ۱ = ۱۸۷۳ء

سالِ وفات اس کا ہے ہجری میں   دے گیا غم حیف سبب کیا ہوا[1]

۱۲۹۰ھ

سال وفات
مرزا
ہرگوپال تفتہ

براہ سخن رفتہ رفتہ بمردہ   تو گوئی کہ ماہ دو ہفتہ بمردہ
چو تفتہ کہ بد شاعرِ فارسی گو   شبستانِ شعر و سخن گشتہ بمردہ
چو سالِ وفاتش بہ بے صبر جستم   بفرمود بس حیف تفتہ بمردہ[2]

۱۲۹۶ھ

اِن اقتباسات کو مربوط کر کے جو نتیجہ نکلتا ہے۔ وہ کچھ یوں ہوگا۔

" میں بال مکند المتخلص بے صبر، قوم کایستھ، قصبہ سکندرآباد، علاقہ بلند شہر کا رہنے والا ہوں۔ سکندرآباد دلی سے مشرق کی طرف دوآب میں بیس کوس کے فاصلے پر واقع ہے۔ میری ولادت ۱۸۶۹ بکرمی میں ہوئی۔ درسی اور رسمی علوم حاصل کر لینے کے بعد مجھ کو انشاء پردازی

---

[1] کلیات بے صبر (قلمی) بعمر ۶۰ سال

[2] کلیات بے صبر (قلمی)۔ (۱۲۹۶ھ = ۱۸۸۰ء = ۱۹۳۶ب)۔ بعمر ۵۷ سال۔ چوتھا مصرع کچھ یوں ہوگا۔ " شبستانِ اشعار گشتہ بمردہ "۔ اشعار کی جگہ غلطی سے شعر و سخن لکھا گیا۔

اور سخن طرازی کا شوق ہوا۔ چنانچہ میں مرزا اسد اللہ خان غالب کے تلامذہ میں شامل ہو گیا اور مدتِ دراز تک اُن سے اصلاح لیتا رہا۔ اس مشقِ سخن کے نتیجے میں ۱۸۷۰ء تک دو دیوان اور تین مثنویاں اردو میں اور ایک دیوان فارسی میں جمع کر لیے۔ ضخیم مثنوی لختِ جگر (پہلی روایت) میں نے چوبیس پچیس سال کی عمر تک کہہ لی تھی۔ ظاہر ہے کہ مشقِ سخن اس سے بھی پہلے کی ہے جو میرے اولین قطعہ ہائے تاریخ سے ظاہر ہے۔

میرے ایک چھوٹے بھائی کو بھی شعر و شاعری سے رغبت ہے، چنانچہ ۱۲۵۳ھ (۱۸۳۷ء) میں جب پہلی بار مثنوی لختِ جگر مکمل ہوئی تو اس نے بھی یک لفظی مادّہ بہم پہنچایا تھا یعنی "مرغوبہ"۔

میرا دوسرا بیٹا کشن سروپ ۱۲۶۰ھ میں پیدا ہوا، تیسرا بیٹا برہما سروپ ۴۰۱۹اب [بڑے بیٹے ہر سروپ کا سالِ ولادت یاد نہیں۔ سالِ وفاتِ حسرت آیات آگے آئے گا] اور چوتھا بیٹا بینی سروپ ۱۲۷۰ھ میں۔

میں نے اپنا پہلا دیوان پورا کا پورا استادِ محترم حضرتِ غالب کو دکھایا تھا۔ یہ ۱۲۷۴ھ کی بات ہے۔ ۱۲۷۵ھ میں میں نے دوسری مثنوی اخگرِ عشق مکمل کی اور اسی سال مثنوی لختِ جگر کو جو ۲۲ سال پہلے کہی جا چکی تھی پھر سے ترمیم کیا، اور استادِ محترم حضرتِ غالب کی نظر سے گذار کر تسلّی کر لی۔ چنانچہ پہلے اس کا سالِ تصنیف لختِ جگر یا "جگر لخت" (۱۲۵۳ھ) تھا اور اب "زہے میر الخت" (۱۲۷۵ھ) ہو گیا۔

چند سال بعد نوجوانی میں میرا لڑکا ہر سروپ جہانِ فانی سے

رخصت ہوا۔ ہجری سنہ ۱۲۷۹ تھا اور عیسوی ۱۸۶۲ء[1]۔ چار سال بعد ۱۲۸۱ھ میں میرا پوتا رام چندر سروپ پیدا ہوا۔ ۱۲۸۵ھ (۱۸۶۹ء) میں استاذی غالبؔ کا انتقال کیا ہوا گویا ہندوستان کا آفتابِ شاعری غروب ہو گیا۔ خود شعر ماتم میں سینہ کوب نظر آتا تھا۔ (۱۹۲۶ب = ۱۲۸۶ھ =) ۱۸۷۰ء میں رسالہ بدیع البدایع کی تکمیل ہوئی۔ ۱۲۸۸ھ (۱۸۷۱ء) میں مثنوی لختِ جگر چھپ کر تیار ہوئی۔ دو سال بعد سب سے چھوٹا یعنی چوتھا بیٹا بینی سروپ سورگ باشش ہو گیا۔ سالِ وفات سمبت ۱۹۳۰ عیسوی ۱۸۷۳ اور ہجری ۱۲۹۰ تھا۔
۱۲۹۶ھ میں مشہور فارسی گو شاعر منشی ہرگوپال تفتہؔ انتقال کر گئے یہ گویا تفتہؔ کی نہیں آسمانِ شاعری کے ماہِ دو ہفتہ کی موت تھی ——”

اس کے علاوہ صرف تین ماخذ ہی ایسے ہیں جو بے صبرؔ کی زندگی میں لکھے گئے۔

اول تذکرہ نادرؔ (دیوانِ غریبؔ ۔ ۱۸۶۶ء) جس سے صرف یہ اطلاع ملتی ہے کہ بے صبرؔ، ہرگوپال تفتہؔ کے شاگرد رہے تھے۔

> “بے صبرؔ۔ لالہ بال مکند متوطن سکندرآباد ضلع
> بلند شہر خلف لالہ کانجی مل شاگرد لالہ ہرگوپال تفتہؔ
> [پانچ شعر درج ہیں]”

---

[1] جیسا کہ بے صبرؔ کے شاگرد سندر پرشاد مجنوںؔ کے سہروں سے ظاہر ہے۔ ہر سروپ کی شادی ہو چکی تھی۔ اس زمانے میں شادیاں گو چھوٹی عمر ہی میں ہو جاتی تھیں تاہم خیال ہے کہ انتقال کے وقت عمر ۲۰ سال سے کم نہ ہوگی۔ اس طرح سالِ ولادت ۱۸۴۲ء قرار دیا جا سکتا ہے۔

دوم تذکرہ سخن شعرا از نسّاخ۔ اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ بیشتر فارسی کہتے ہیں۔

> "بے صبر تخلص بال مکند ولد لالہ کانجی مل باشندہ سکندرآباد شاگرد ہرگوپال تفتہ۔ بیشتر فارسی کہتے ہیں [کلام میں صرف اردو کا ایک شعر درج ہے]"

سوم تذکرۂ آثار الشعرائے ہنود از بشاش۔ اگرچہ اس تذکرے کی طباعت، بے صبر کے انتقال کے چند ماہ بعد (ستمبر ۱۸۸۵ء) میں شروع ہوئی تھی۔ تاہم بے صبر کے ترجمے کا متن بے صبر کی زندگی ہی میں مرتب ہو چکا تھا۔ بلکہ بیشتر بے صبر ہی نے فراہم کیا تھا:

> "بے صبر تخلص منشی بال مکند ولد رائے[1] کاہنہ سنگھ کاتیہ بھٹناگر سکندرآباد ضلع بلند شہر۔ اب عمر قریب ستر برس کے ہے۔ پندرہ برس کے سن سے اب تک شعر کہتے ہیں۔ فارسی اور اردو میں مرزا غالب کے شاگرد ہیں۔

> صاحبِ دیوان اور تصنیفات متعددہ جن کی تفصیل تذکرہ معیار الشعرائے ہنود[2] میں کہ جہاں فارسی کلام

---

[1] نادر اور نسّاخ دونوں نے بے صبر کے والد کا نام لالہ کانجی مل لکھا ہے۔ بے صبر کے والد کا نام رائے کاہنہ سنگھ ہی تھا، مگر ہو سکتا ہے کہ انھیں لالہ کانجی مل کے نام سے بھی پکارا جاتا ہو۔

[2] تذکرہ معیار الشعرائے ہنود طبع نہیں ہوا۔ میں نے مخطوطے کی اطلاع ملتے ہی دو ایک جگہ اسے تلاش بھی کیا مگر دستیاب نہیں ہوا۔ شاید کبھی ہاتھ لگ جائے۔ فی الحال معدوم سمجھا جائے۔

> ان کا درج ہُوا ہے، قلم بند ہو چکے ہیں۔ ۱۷ برس کی عمر سے ۳۷ برس تک مناصب داروغگی و منشی گری وغیرہ سرکار انگریزی پر مامور رہا۔ اب پنشن دار ہیں، اور لڑکے نوکر چاکر ہیں۔ سوائے علم رسمی فارسی عربی اور کچھ سنسکرت کے جملہ فن شاعری و علم الٰہی و تاریخ و جغرافیہ و نجوم و منطق و مذاہب سے خیلے واقف ہیں، مذہب خداپرستی موحدانہ رکھتے ہیں، اور ذوقؔ، مومنؔ، غالبؔ، تفتہؔ اور شیفتہؔ وغیرہ شعرائے نامی کے ہم عصر اور ہم مشاعرہ ہیں۔ راقم تذکرہ سے بھی خط و کتابت ہے اور مندرجۂ ذیل کلام خود ان کا اس تذکرہ کے لیے بھیجا ہوا ہے اور حق یہ ہے کہ ہماری قوم میں غنیمت ہیں اور قابلِ افتخار۔ [چونکہ بیشتر کلام آخر میں انتخابِ کلام کے تحت درج کیا جا رہا ہے۔ اس لیے یہاں سے حذف کیا جاتا ہے۔ رضاؔ ———————] ”

جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا، اب تک جو کچھ لکھا گیا ہے۔ اس کے یا تو خود بے صبرؔ راوی ہیں یا پھر وہ لوگ راوی ہیں جو بے صبرؔ کے ہم عصر تھے اور جو کچھ وہ ضبطِ تحریر میں لائے ہیں بے صبرؔ کو اس سب کی خبر تھی۔ بشاشؔ صاحب تذکرۂ آثار الشعرائے ہنود کی تو بے صبرؔ سے براہِ راست خط و کتابت تھی۔ افسوس کہ بشاشؔ کا فارسی گویوں کا تذکرۂ معیار الشعرائے ہنود دستیاب نہیں ورنہ بے صبرؔ کی تصانیف کا مفصل احوال اس سے معلوم ہو سکتا تھا۔

اب بے صبرؔ کے کچھ سوانح نگاروں سے اخذ کیا ہوا مواد پیش کیا جاتا ہے۔

ب سے پہلے ان کے بیٹے برہما سروپ کا بیان ملاحظہ فرمائیے

جب ۱۹۴۲ب[مل] میں آخرکار رسالہ بدیع البدایع چھپا، اس وقت بے صبر کا انتقال ہو چکا تھا۔ انتقال کا حال اور کچھ ضروری کوائف رسالہ بدیع البدایع کے سرورق کی پشت پر لکھی "سوانح عمری مصنّف" سے کھلتے ہیں جو بے صبر کے دوسرے بیٹے برہما سروپ نے چھپوائی تھی۔

“سوانح عمری مصنّف

...... مصنّف اس رسالہ موسومہ بدیع البدایع کے جناب منشی بال مکند صاحب المتخلص بے صبر (ساکن) سکندرآباد ضلع بلند شہر ہیں۔ ۱۸۱۰ء میں بمقام سکندرآباد پیدا ہوئے اور پچھتر برس کی عمر میں ۱۳ فروری ۱۸۸۵ء شیودا تری کو بمقام میرٹھ رحلت فرمائی۔ جناب والا نے ذہن رسا اند فہم ذکا کی وجہ سے سولہ برس کی عمر میں فارسی عربی میں لیاقت کامل حاصل کی، اور علوم ریاضی و نجوم ہیئت منطق اور ویدانت صوفیہ مت میں بھی دستگاہ بہم پہونچائی۔ بوجہ موزونیت طبیعت خداداد اور بصحبت مرزا منشی ہرگوپال تفتہ کہ ماموں جناب موصوف کے تھے شوق شعر و سخن کا دامنگیر ہوا۔ اور بعد اجتماع سخن آخر کو زانوئے ادب بخدمت نواب اسد اللہ خاں صاحب مرزا نوشہ غالب دہلوی کی تہہ کیا۔ دس کتابیں تالیف و تصنیف فرمائیں ان کے کلام میں فصاحت و بلاغت صنایع بدایع معنی و

[مل] مطابق ۱۸۸۶ء = ۱۳۰۲ھ

محاورہ چوچلہ بول چال روزمرہ کنایہ و اشارہ تلاش و بندش قابلِ ملاحظہ ہے۔ کیوں نہ ہو؟ پچپن برس کی مشقِ سخن ہے، اور حضرتِ غالبؔ کے شاگردِ رشید ہیں۔ مجھ کو کہ فرزندانِ موصوف سے ہوں، تعلّی اور غلو زیب نہیں، البتہ بعد مرزا غالب اور مرزا تفتہؔ کے حضرت بے صبرؔ کا دم غنیمت تھا کہ وے بھی اس دارِ فانی سے راہیِ عالمِ بقا ہوئے۔ افسوس صد افسوس ؎

روزہا باید کہ تا یک مشت پشم از پشت میش
زاہدے را خرقہ گردد یا شُترے را رسن
ماہہا باید کہ تا گردونِ گردان یک شبے
عاشقے را وصل بخشد یا غریبے را وطن
سالہا باید کہ تا یک سنگِ اصلی ز آفتاب
لعل گردد در بدخشان یا عقیق اندر یمن
قرنہا باید کہ تا یک کودکے از راہِ فہم
عالمے کامل بود یا شاعرِ شیریں سخن

تفصیل تالیفات بے صبرؔ مؤلف رسالہ ہذا

۱۔	دیوانِ اوّل اردو	موسوم بہ دیوانِ عام اس میں غزلیات، رباعیات قطعات وغیرہ درج ہیں	عنقریب طبع ہوگا
۲۔	دیوان دوم اردو	موسوم بہ دیوانِ خاص اس میں صرف غزلیات ہیں	چھپنے کو باقی ہے
۳۔	دیوانِ فارسی	اس میں کل کلام فارسی غزلیات و قطعات و تضمین و دیوانِ رباعیات ہے	״
۴۔	دیوانِ قصائد اردو	اس میں ۴۵ قصیدے اور ترکیب بند و ترجیع بند درج ہیں	״
۵۔	مثنوی لختِ جگر	ایک پرفصاحت مثنوی دید ہے نہ شنید ہے	چھپ گئی
۶۔	مثنوی اخگرِ عشق	درحقیقت یہ مثنوی اسم بامسمّیٰ اخگر ہے	״
۷۔	سراپا سخن	تصنیف بطرزِ جدید۔ یادگارِ فرزندان میں توجہ و سراپا قابلِ داد ہے	״
۸۔	رسالہ بدیع البدایع ہذا	اس میں بیان علم صنایع و بدایع کا ہے	״

۹۔ رسالہ ادیب البنات یہ نثر ہے اور تہذیب اخلاق اور تعلیم نسوں کے لیئے قابلِ رواجِ مدارس ہے۔ زیرِ طبع ہے
۱۰۔ گلستانِ ہند نثر اردو میں تتبعِ گلستانِ سعدی اس میں ۵ باب ہیں „

العبد

نیاز مند سری بر ہما سروپ پسر خورد مصنف ”

رسالہ بدیع البدایع ہی کے صفحہ ۴۴ پر بے صبر کے بڑے بیٹے (بعد ازہر سروپ مرحوم) منشی کرشن چند سروپ صاحب منیر کا کہا ہوا قطعہ تاریخ وفات "قبلہ و کعبہ والد بزرگوار جناب منشی بال مکند صاحب بے صبر تخلص سکندر آبادی" درج ہے جو یوں ہے ۔

۲،۵
بے صبر چوں ز عالمِ فانی بخلد رفت عالم بچشم اہل بصیرت سیاہ شد
بازم مپرس حالِ دلِ بے قرارِ من دور از سرم چو سایۂ آں قبلہ گاہ شد
اے سایۂ سعادتِ ازلی، کجا شدی باز آکہ حالِ منشیانت تباہ شد
بارے بگو کہ تا چہ گنہ دیدہ زمن اے دیدہ ام بخاک ہست فرشِ راہ شد
سالِ وفات تو ز کہ پرسم کہ بعد تو ایں سلسلہ گسستہ چو متروک راہ شد
چوں فکرِ سال ناخنم اندر جگر خلید از یمن و برکتت سوئے غیبم نگاہ شد
ہاتف بگفت ترک سر کردہ بسالِ ہند بستہ درِ سخن چو فنا فی اللہ شد[1] = ۱۹۴۱ب
اعدادِ حرفِ اولین ابیات کن شمار سنِ شریف و آن ۱۹۵۱ گرچہ شام دیگاہ شد

---

[1] اس شعر کے دوسرے مصرعے کو "بستہ درِ سخن چو فنا فی الہ شد" پڑھنا چاہیئے۔ یہاں اللہ = الہ = ۳۶ شمار کر کے مصرعے کے عدد ۱۹۵۱ برآمد ہوں گے۔ اس میں سے دو = ۱۰ نکال کر ۱۹۴۱ بکرمی مستخرج ہوگا ۱۹۴۱ب = ۱۸۸۵ء

یہاں فرزندانِ بے صبرؔ سری[1] کرشن چندر سروپ اور سری برہما سروپ نے لوگوں کو تو مغالطے میں رکھا ہی تھا لیکن وہ خود بھی غلطی کا شکار رہے ۔ بے صبرؔ کی عمر ۷۵ سال بحسابِ سنہ ہجری نہ کہ بحساب سمبت و عیسوی ۔ بکرمی سنہ کے حساب سے عمر ۷۲ سال ہوتی ہے ۔ بے صبرؔ نے خود لکھا ہے کہ ان کا سال ولادت ۱۸۶۹ب ہے اور یہ معلوم ہے کہ وہ ۱۹۴۱ب میں بروز شیوراتری سورگباش ہوئے ۔ اس طرح عمر ۷۲ سال سے کچھ زیادہ ہوئی ۔ سال وفات ۱۳؍ فروری ۱۸۸۵ء مطابق ہے ۲۷؍ ربیع الثانی ۱۳۰۲ھ کے ۔ اگر ۱۳۰۲ھ سے ۷۵ سال نکال دیئے جائیں تو ۱۲۲۷ھ ہوتے ہیں جو برابر ہے ، ۱۶؍ جنوری ۱۸۱۲ء تا ۴ جنوری ۱۸۱۳ء کے ۔ اور ۱۸۶۹ب = ۴؍ مارچ ۱۸۱۲ء تا یکم اپریل ۱۸۱۳ء ۔ گویا یہ کہنا زیادہ درست ہوگا کہ بکرمی اور عیسوی سنین کی رو سے عمر ۷۲ سال سے اوپر رہی ہوگی ۔ اب سال ولادت اور وفات یہ ہوں گے ۔

بکرمی	ولادت ۱۸۶۹	وفات ۱۹۴۱	= عمر ۷۲ تا ۷۳ سال
عیسوی	″ ۱۸۱۲/۱۳	″ ۱۸۸۵	= عمر ایضاً
ہجری	″ ۱۲۲۷	″ ۱۳۰۲	= عمر ۷۵ سال

سری برہما سروپ پسر بے صبرؔ کا ۱۸۸۵ء سے ۷۵ سال ہجری منہا کر کے ۱۸۱۰ سال ولادت برآمد کرنا قطعاً غلط ہے ۔

تصانیف بے صبرؔ

”سوانح عمریِ مصنف“ مرتبہ برہما سروپ پسر بے صبرؔ میں ، بے صبرؔ کی

---

[1] بے صبرؔ کے بیٹوں اور پوتوں کے نام سے پہلے سری لکھنے سے نام مکمل ہوتا ہے ۔ مگر ناموں کے ساتھ کہیں یہ لفظ لکھا گیا ہے اور کہیں نہیں لکھا گیا ۔ اس لیے سری برہما سروپ بھی درست ہے اور صرف برہما سروپ بھی ۔

دس تصانیف کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ اس فہرست سے ظاہر ہے کہ دس میں سے صرف چار تصانیف طبع ہو سکیں۔ اتفاق سے ان میں سے دو یعنی "مثنوی لختِ جگر" اور رسالہ "بدیع البدایع" میرے کتب خانے میں موجود ہیں اور بہت اچھی حالت میں ہیں۔ مثنوی اخگرِ عشق (مطبوعہ) کا آج تک کوئی سراغ نہیں مل سکا اور یہی حال "سراپا سخن" کا ہے۔ چار غیر مطبوعہ تصانیف دیوانِ اول اردو، دیوانِ دوم اردو دیوانِ فارسی اور دیوانِ قصائدِ اردو اب شاید اصل شکل میں موجود نہیں مگر کافی حد تک ان کی نشاندہی کلیاتِ بے صبر (غیر مطبوعہ) میں کی جا سکتی ہے۔ بے صبر کے وارثوں کے پاس بھی بے صبر کے کلام کے مسودے موجود ہیں۔ باقی ماندہ دو تصانیف "ادیب النبات" اور "گلستان ہند" جو نثر میں ہیں، کے مسودے بھی ان کے یہاں محفوظ ہیں۔

یہاں ایک مضمون سے اقتباسات درج کیے جاتے ہیں جو بعنوان "منشی بال مکند رائے بے صبر" نیا دور، لکھنؤ کے ستمبر ۱۹۵۹ء کے شمارے میں چھپا تھا۔ اس کے مصنف جناب ہری کرشن راز ہیں، جنہوں نے اسے بے صبر کے وارثوں سے حاصل شدہ معلومات کی بنا پر لکھا ہے۔ اس لیے اہم ہے۔ اس میں بے صبر کی بعض تصانیف کے کوائف بھی معلوم ہو جاتے ہیں جو کہیں اور بیان نہیں ہوئے۔

> "منشی بال مکند نام تخلص بے صبر بمقام سکندر آباد ضلع بلند شہر (یوپی) سنہ ۱۸۱۰ء[۱] میں پیدا ہوئے۔ وہاں کے ایک متموّل بھٹنا گر کائستھ خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کے بزرگ دگال

---

[۱] ۱۸۶۹ بکرمی = ۱۸۱۲-۱۳ء۔ اس لیے ۱۸۱۰ء درست نہیں

کے رہنے والے تھے جو پنجاب میں واقع ہے۔ اسی رعایت سے آپ کی خاندانی ال دگالیہ ہے لیکن یہ پتہ نہیں چلتا کہ بے صبرؔ کے بزرگ اپنے وطن دگال کو کس سلسلے میں خیرباد کہہ کر سکندرآباد میں آ کر مقیم ہوئے۔ ان کے والد بزرگوار کا نام رائے کاہنہ سنگھ تھا۔ صحیح یوم و تاریخ پیدائش کا پتہ نہ چل سکا۔ جناب بے صبرؔ نے اپنی تصنیف ”بدیع البدایع“ میں اپنا سن پیدائش ذیل کے چار مصرعوں میں تحریر فرمایا ہے۔

مرا سالِ ولادت ہندوی میں ٭ جو کوئی صورت و معنی میں پاوے
تو کر دے قافیے کو دور تا ہاتھ ٭ ہزار و ہشت صد شصت و نہ آوے
(سمت ۱۸۶۹ بکرمی)

روزِ پیدائش سے سنِ شعور تک بے صبرؔ سکندرآباد میں رہے۔ خداداد فہم و فراست و قابلیت و ذہانت کی وجہ سے آپ نے پندرہ سال کی عمر میں عربی فارسی، نجوم، منطق اور علم تصوّف میں کمال حاصل کیا۔ فارسی کے مشہور شاعر اور مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ دہلوی کے مشہور شاگرد منشی ہرگوپال تفتہؔ آپ کے ماموں تھے۔ بے صبرؔ نے حضرت تفتہؔ سے علمِ عروض پڑھا اور شروع شروع انہیں سے اپنے کلام پر اصلاح لی۔ تفتہؔ کے فیضِ صحبت اور اصلاح سے بے صبرؔ نے شاعری میں دن دونی رات چوگنی ترقی کی اور بالآخر انہی کی ایما سے بے صبرؔ نے مرزا غالبؔ کی شاگردی اختیار کی جس سے بے صبرؔ

کے کلام کی وقعت اور بڑھ گئی۔..................

سترہ سال کی عمر میں بے صبؔر سرکاری ملازمت میں محکمہ پرمٹ میں داخل ہوئے لیکن کچھ عرصے بعد دل برداشتہ ہو کر مستعفی ہو گئے۔ پھر کلکٹری سہارنپور میں ملازم ہو گئے اور سنہ ۱۸۶۴ء میں پنشن لے کر خانہ نشین ہو گئے..................

۱۳ر فروری سنہ ۱۸۸۵ء کو بروز شیوراتری اس دارِ ناپائیدار سے کوچ کیا۔ آخری عمر میں آپ شیوجی کی عبادت میں ہر وقت مصروف رہا کرتے تھے اور شیو منتر کا ہر وقت جاپ کیا کرتے تھے شیومت کے عقائد کے بموجب شیوراتری کے دن بے صبؔر کا انتقال فرمانا نہایت سعد تھا..................

حضرت بے صبؔر کے پس ماندگان میں دو صاحبزادے منشی کرشن سروپ منیؔر۔ بابو برہما سروپ اوور سیر اور بابو رام چندر سروپ خلف منشی کرشن سروپ منیؔر تھے۔ مگر عرصہ ہوا کہ یہ تینوں صاحبان بھی قیدِ حیات سے آزاد ہو چکے ہیں۔ آپ کے ورثاء میں سے اب بابو گردھر سروپ[۱] اور بابو جیوتی سروپ باقی ہیں۔ مضمون کا زیادہ تر مواد بابو گردھر سروپ سے حاصل ہوا۔

انہوں نے راقم الحروف کو اخبار بھٹناگر سماچار اور بے صبؔر کی

---

[۱] ویریندر پرشاد سکسینہ بدایونی، ہماری زبان کے ۸ر دسمبر ۱۹۶۰ء کے شمارے میں اضافہ کرتے ہیں کہ ”بے صبؔر نے محلہ فندق شہر میرٹھ میں ایک عالی شان مکان بنوایا تھا۔ اسی مکان میں آپ کی وفات ہوئی۔ یہ مکان آپ کے وارث اور پوتے جناب بابو گردھر سروپ کے قبضے میں ہے۔“

غزلوں اور قصیدوں کے مسودوں کے علاوہ ان کی تصنیف ادیب البنات کا قلمی نسخہ عنایت فرمایا اسی سلسلے میں ان کے بہت سے خاندانی حالات بھی بتائے۔ سکندر آباد ضلع بلند شہر میں بابو من موہن دیال دگالہ، بابو بھجن لال دگالہ، منشی نراین سروپ۔ منشی کلیان سروپ، منشی آتما سروپ، بابو بھگوان سروپ اور دھول پور میں بابو کرشن سروپ جناب بے صبر کی یادگار ہیں۔

حضرت بے صبر کی تصانیف حسب ذیل ہیں۔

۱۔ دیوان عام اردو (غیر مطبوعہ) جس میں غزلیں۔ رباعیاں و قطع۔ ترجیع بند وغیرہ ہیں۔

۲۔ دیوانِ خاص اردو (غیر مطبوعہ) صرف غزلیات کا مجموعہ ہے۔

۳۔ دیوانِ فارسی (غیر مطبوعہ) منشی دیبی پرشاد بشاشؔ نے اپنی تصنیف تذکرۂ آثار الشعرائے ہنود میں اس کا ذکر کیا ہے۔

۴۔ دیوان قصائد اردو (غیر مطبوعہ) اس میں چوّن قصیدے ہیں۔ ترکیب بند۔ ترجیع بند ہیں۔ اس کے اکثر صفحات ضایع ہو گئے ہیں۔ قصائد نمبر ۳۰، ۳۱، ۴۶ اور ۵۳ وائسرائے ہند کی خدمت میں روانہ کیے گئے تھے دیگر قصائد میں قصیدہ نمبر ۴ سدرۂ توحید میں، نمبر ۶ نو بہار ہندوستان کی تعریف میں، نمبر ۹ قدامت روح کے بارے میں، نمبر ۱۱ معطّل (جو بے نقطہ ہے)، نمبر ۱۶، پرکالۂ آتش حضرت غالبؔ کی مدح میں، نمبر ۱۸ جناب تفتہؔ کی تعریف میں، نمبر ۱۹ آرام جاں مہاراجہ بنارس کی تعریف میں۔ نمبر ۲۱ دلپذیر مہاراجہ کشمیر کی مدح میں، نمبر ۲۴ حالات

ہجوم ہر دوار، نمبر ۲۷ بہار کی تعریف میں، نمبر ۲۰ نورٌ علیٰ نور ملکہ وکٹوریہ قیصرہ ہند کی مدح میں، نمبر ۳۱ تیغ برہنہ مبارکباد بر فتح، افغانستان، نمبر ۴۶ مبارکباد بحضور لارڈ رپن وائسرائے ہند بہ موقع دربار منعقدہ ۱۵ نومبر سنہ ۱۸۸۰ء اور نمبر ۵۳ دربارۂ تہنیت بر فتح مصر و مدح ملکۂ وکٹوریہ ہے۔ قصائد مذکورہ بالا سے جناب بے صبر کی قادر الکلامی اور علمی تبحّر کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔

۵۔ مثنوی لخت جگر اردو (مطبوعہ سنہ ۱۸۷۱ء) اب نایاب ہے۔

۶۔ مثنوی اخگر عشق اردو (مطبوعہ) اب یہ نایاب ہے۔

۷۔ سراپا سخن اردو (مطبوعہ فروری ۱۸۷۹ء) اس میں مصنّف نے اپنے دو فرزندوں منشی ہر سروپ اور منشی بینی سروپ کا سراپا اور نوحہ لکھا ہے۔

۸۔ رسالہ ادیب البنات، اردو نثر (غیر مطبوعہ) اس کے دیباچے میں بے صبر تحریر فرماتے ہیں:-

"میں نے ساری عمر اپنی شعر و شاعری میں گزرانی اور خاک اس گلی کی خوب چھانی۔ تین دیوان اور تین مثنویاں اردو فارسی میں کہیں کہ وہ مجھ سے یادگار ہیں۔ لیکن کوئی ایسی کتاب جو واسطے تعلیم طلباء مدارس دیسی اور سرکاری کے مفید ہو۔ بہ سبب کم فرصتی کام عہدہ نائب منشی یعنی نائب سررشتہ داری ثانی محکمہ کلکٹری ضلع بلند شہر و سہارنپور تصنیف نہ کر سکا......۔ نام اس کا ادیب البنات رکھا ہے۔ اردو کے سیدھے سادھے اور سلیس اور صاف

محاورے میں بنائی۔ سال ۱۸۷۰ء میں مراد بر آئی۔ (یہ کتاب بتاریخ ۲۰/ اگست ۱۸۷۰ء بحضور جناب سکریٹری صاحب گورنمنٹ بغرض منظوری روانہ ہوئی)۔

۹۔ گلستانِ ہند نثر اردو (غیر مطبوعہ) گلستان شیخ سعدی شیرازی کے ڈھنگ پر لکھی گئی ہے۔ عبارت سلیس اور بامحاورہ ہے یہ پانچ بابوں میں منقسم ہے اور ان ابواب کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

پہلا باب	بادشاہوں اور امیروں کے ذکر میں	۲۴ بیان
دوسرا باب	فقیروں کے بیان میں	۱۷ بیان
تیسرا باب	حکیموں اور طبیبوں کے حال میں	۱۶ بیان
چوتھا باب	شاعروں کے حال میں	۱۸ بیان
پانچواں باب	نکات، لطائف، پند اور نصائح وغیرہ میں	۴۵ بیان

بطور نمونہ چوتھے باب کی حکایت نمبر ۹ ذیل میں درج ہے:

" کہتے ہیں کہ عبدالرحیم خانخاناں کی مجلس میں کسی شاعر نے شعر پڑھا۔ نواب صاحب کو پسند آیا، فرمایا بیچو تو مول لیتے ہیں اور شصت دینار قیمت دیتے ہیں۔ شاعر نے کہا کہ شصت کم است۔ کم کے عدد بھی ساٹھ ہوتے ہیں۔ گویا دو شصت ہو گئے۔ نواب اس لطیفۂ حسن الطلب سے خوش ہوا اور ایک سو بیس دینار دے کر خرید لیا اور خلعت اضافہ کیا۔ شعر

جو قدرداں ہیں وہ کرتے ہیں قدر شاعر و شعر
ستم ہے گر کوئی دنیا میں قدرداں نہ رہے

اس کتاب کا سن تصنیف ۱۸۷۱ء ہے ۔

۱۰۔ رسالہ بدیع البدایع اردو (مطبوعہ) یہ کتاب فن شاعری پر ہے ..... علم عروض وصنایع بدایع کے شائقین کے لیے نہایت مفید چیز ہے ۔ یہ کتاب ۱۸۷۰ء میں مطبع دبیرِ ہند بلند شہر میں طبع ہوئی ۔ اب اس کی صرف ایک جلد بے صبرؔ کے وارث بابو گردھر سروپ صاحب کے پاس ہے اور بازار میں نہیں ملتی ۔

ایسا کم ہوتا ہے کہ ایک شخص اچھا شاعر اور اچھا نثر نگار دونوں ہو۔ جناب بے صبرؔ اپنے زمانے کے معیار کے مطابق اعلےٰ درجے کے شاعر بھی تھے اور نثار بھی ۔ ان کی تصنیف رسالہ ادیب البنات جو اخلاقی تعلیم سے پر ہے ان کی اعلیٰ درجے کی نثر نویسی اور دل کش اندازِ تحریر کی شاہد ہے اس رسالے میں اوّل آپ ایک اخلاقی اصول کو لوحِ دل پر نقش فرماتے ہیں ۔ ذیل میں رسالہ ادیب البنات سے ایک اقتباس پیش کیا جا رہا ہے ۔

رحم کی تعریف

" اصل کائنات کی خدا ہے اور خدا رسیدہ ہونا اپنی اصل کو پہنچنا ہے ۔ خدا کی صفات میں سے ایک صفت رحم ہے ۔ اس کو وہی جانتا ہے جس کو فہم ہے ۔ خدا کا رحم عام ہے ۔ راحم ۔ رحیم ۔ رحمٰن اسی کے نام ہیں ۔ آدمی کا کمال یہی ہے کہ خدا اس کو ملے جب تک صفات الٰہی سے تھوڑی بہت صفتیں بہم نہ پہنچا دے خدا کو نہ پاوے ۔ پس لازم آیا کہ صفاتِ حیوانی کو چھوڑ کر پہلے صفتِ انسانی کی طرف مائل ہو تاکہ صفتِ ربّانی حاصل ہو ۔ اس مقام سے رحم کے مرتبے کا خیال کرو اور رحم کرو تاکہ کمال

حاصل ہو۔ بے رحمی کی سزا خدا دیتا ہے۔ کمزور کا بدلہ زور آور سے لیتا ہے۔ اس کا نمونہ بنیے اور نائی کے لڑکوں کی کہانی ہے۔

بنیے اور نائی کے لڑکوں کی کہانی

ایک بنیے اور نائی کے دو لڑکے پانچ پانچ چھ چھ برس کے جو سرِ راہ کھیلتے تھے، لڑ پڑے۔ بچے ہی تو تھے نہ جانے کس بات پر جھگڑ پڑے۔ لڑائی میں اوپر تلے ہونے لگے۔ دونوں رونے لگے۔ بنیا آیا اپنے بچے کو گلے لگایا۔ پچکارا، پیار کیا، گھر کو بھیج دیا۔ پھر نائی کے لڑکے کو مارا اور یہ بھی کہا کہ کیوں بے کمینے کے۔ تو ہمارے ہی گھر سے کھاوے اور ہمارے ہی بچے پر ہاتھ اٹھاوے۔ اتنے میں نائی بھی آیا اور اس نے شور مچایا۔ بنیے نے سوچا اب ایسا نہ ہو زیادہ فساد ہو۔ داد بیداد ہو۔ دوڑ کر گھر کو چلا۔ نائی اس کے پیچھے لگا۔ بنیے نے جانا کہ میں بے ڈھب گرا۔ گھبراہٹ میں چوکھٹ پر ایسا گرا کہ کواڑ کی کیل اس کے گال میں گڑ گئی اور ایک ڈاڑھ صاف اکھڑ گئی۔ زخم کاری اور خون جاری ہو گیا۔ نائی نے کہا کہ تم کو میرے بچے پر رحم نہ آیا۔ پر میں نے اپنا انصاف خدا سے بھر پایا“

تلامذۂ بے صبرؔ

بے صبرؔ کثیر التلامذہ تھے مگر ان کے تا حال پانچ شاگردوں کی اطلاع مل سکی ہے۔ وہ ہیں

کرشن چندر سروپ منیرؔ پسر بے صبرؔ
عباسؔ سہارنپوری
شنکر لال ساقیؔ
سندر پرشاد مجنونؔ
بنواری لال شعلہؔ

کرشن چندر سروپ منیرؔ کا ذکر پہلے آچکا ہے اور عباسؔ سہارنپوری کا کچھ حال معلوم نہیں ہوسکا۔ باقی تین کا مختصر ترجمہ یہ ہے۔

ساقیؔ: منشی شنکر لال خلف منشی خوب چند تحصیلدار ساکن سکندر آباد ۱۸۳۳ء میں تولّد ہوئے تھے۔ ۱۸۶۳ء میں کلکٹری سہارنپور کے پیشکار تھے اور ملازمت کی وجہ سے وہیں سکونت اختیار کرلی تھی۔ اردو فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ آخر عمر میں رعشہ ہوگیا تھا اور چلنے پھرنے سے معذور ہوگئے تھے۔ ۱۸۹۷ء میں

انتقال کیا۔ یہ شعر آثار الشعراے ہنود میں اور، شعر خمخانۂ جاوید میں موجود ہیں۔ انہیں میں سے پانچ شعر دیے جاتے ہیں۔

صیدِ مرغِ جاں ہوا اپنا دلِ مضطر سمیت
تیر بیٹھا اس کا پہلو میں ہمارے، پر سمیت

دباتے ہم نہ دل اپنا جو چرخِ پیر چٹکی میں
تو پھر تجھ کو اڑاتے نالۂ شبگیر چٹکی میں
عجب چشمِ جنوں گر کی ہے یہ تاثیر چٹکی میں
نشانہ اڑ گیا اور ہے نظر کا تیر چٹکی میں

ق
بتا دیں تھا یہ چھلا کل تمہارا کس کی انگلی میں
خفا ہوگا جو اس کا نام لیں تھا جس کی انگلی میں
اڑا لائے مسیحا بن کے شاید حضرتِ ساقی
انگوٹھی کل یہ گرجا گھر میں تھی اک مِس کی انگلی میں

یہ قطعۂ تاریخ، مثنوی لختِ جگر کے آخر میں درج ہے، اسے بھی شامل کیا جاتا ہے:

قطعۂ تاریخ تصنیف منشی شنکر لال صاحب المتخلص بساقی شاگردِ بے صبر بطور تعمیہ

چھپی جو لختِ جگر مثنوی تو اے ساقی　　طبیعت اپنی ہوئی اس کو دیکھ کر خرم
تلاش تھی سن ہجری کی مجھ کو ہاتف نے　　کہا یہ از سرِ دانش یہی ہے باغِ ارم ۱۲۸۳ھ

مجنوںؔ : سُندر پرشاد (ولادت ۱۸۴۰-۴۱ء) رائے نرائن دیال کے منجھلے بیٹے اور رائے ہیرانند وزیرِ اعظم ریاست فرّخ آباد کے پوتے تھے۔ ان کے چچا رائے بشن دیال سکسینہ بلند شہر میں ڈپٹی کلکٹر تھے۔ یہ انہیں کے پاس رہتے تھے۔ اور یہیں بے صبرؔ کی شاگردی اختیار کی[1]۔ مجنوںؔ کو اپنے استاد سے بہت عقیدت تھی چنانچہ کہتے ہیں۔

کیا لکھوں حضرتِ بے صبرؔ کا وصف اے مجنوںؔ
آج تک ایسا زمانے میں نہ استاد آیا

ایک اور طویل غزل "ثنائے بلند شہر" کا ایک شعر دیکھیے ؎

بے صبرؔ سا ہمارا ہوا استاد جبکہ واں
کیوں ہو سرِ فلک پہ نہ پائے بلند شہر

بے صبرؔ کے بڑے بیٹے ہر سروپ (جس کا انتقال شادی کے کچھ ہی عرصے بعد ۱۸۶۲ء ہی میں ہو گیا تھا) کی شادی پر مجنوںؔ نے پانچ سہرے رقم کیے تھے۔ کل اشعار ۳۴ تھے۔ ایک سہرے سے چند شعر دیکھیے ؎

---

[1] "زمانہ" اگست ۱۹۱۴ء جلد ۲۴ نمبر ۱۴۱ مضمون بعنوان سُندر پرشاد مجنوںؔ از دینا ناتھ سیاحؔ، گوجرانوالہ۔ یہ بھی لکھا ہے کہ "....... بعد میں غالبؔ کے حلقۂ تلمذ میں داخل ہوئے۔" مگر یہ درست نہیں معلوم ہوتا۔

ظلمتِ نور برابر نظر آئے مجھ کو
نزی کاکل کے پڑا جبکہ برابر سہرا
خوب ہل ہل کے بلا لیتا ہے اس کے رُخ کی
عاشقِ زار ہے نوشہ کا مقرر سہرا
سہرے اور تارِ شعاعی میں ہے بحث اب دیکھیں
ہووے منصور وہ یا تیرا مظفر سہرا

لکھ چکے سہرے تو بس غالبؔ و ذوقؔ اے مجنوںؔ
کون لکھ سکتا ہے اب ان کے برابر سہرا

دوسرے سہرے سے تین شعر ہے

اک گماں تھا کہ شفق سے شہِ خاور نکلا
رُخ سے نوشہ نے جو پھولوں کا ہٹایا سہرا
عمر ہو خضر کی حاصل یہ عروس و نوشہ
سر پہ دولہا کے مبارک ہو خدایا سہرا

سب سخن فہموں نے دی دادِ سخن اے مجنوںؔ
سرِ محفل مرا حُوروں نے جو گایا سہرا

سندر پرشاد مجنوںؔ نے بہت کم عمر پائی۔ ان کا انتقال ۲۸ سال کی عمر میں ۱۹۲۵ء بکرمی مطابق ۶۹-۱۸۶۸ء میں ہوا۔

شعلہؔ : بنواری لال ولد منشی موتی لال بھٹناگر۔ اصلاً حصار کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد بسلسلہ ملازمت ناظرِ عدالت ججی، سہارنپور چلے آئے تھے۔ شعلہؔ ۲۵ جولائی ۱۸۴۷ء کو پیدا ہوئے۔ اردو شاعری میں ان کا مقام بلند ہے۔ سہارنپور سے علی گڑھ آجانے کے بعد تفتہؔ کی صحبتوں سے بھی فیضیاب ہوئے۔ ان کی شاعری میں ان سب

کے محاسن کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ عروض میں غالباً زیادہ دخل نہ تھا۔ مگر شعر نہایت آبدار اور چست کہتے تھے

نہ عروضی ہوں نہ ہوں واقفِ ارکانِ سخن
فاعلاتن نہ مجھے یاد نہ بابِ تفعیل

۱۸۷۳ء میں وہ محکمۂ بندوبست علی گڑھ میں ملازم ہو گئے تھے۔ پھر وکالت کے امتحان پاس کر کے وہیں وکالت کرنے لگے۔ گو شعلہؔ غزل بھی بہت اچھی کہتے تھے مگر نظم نگاری میں انہیں کمال حاصل تھا۔ مُسدس میں غایت درجہ زور اور اثر ہے۔ اپنی بیوی کے نوحے میں کہتے ہیں۔

دامانِ قیامت! مرے ہاتھوں میں لپٹ جا
او چرخِ ستمگر! مرے نالوں سے الٹ جا
اے جانِ حزیں! جسم سے آنکھوں میں سمٹ جا
اے عمر! اگر باقی ہے کچھ، بیچ سے کٹ جا

اک نزع کا فوٹو ہے جو سینے میں دھرا ہے ∴ کس کا دمِ آخر مری آنکھوں میں بھرا ہے

رام نومی کے دن ۶ اپریل ۱۹۰۳ء کو وفات پائی۔ "کلیاتِ شعلہ" جواہراتِ سخن کا خزینہ ہے ان کی طویل مثنوی "بزم برندابن" شہرۂ آفاق ہے۔

"بے صبرؔ اور تلمذِ غالبؔ"

جیسا کہ پہلے درج کیا جا چکا ہے، بے صبرؔ نے لکھا ہے کہ "بعد تحصیلِ علوم درسی و رسمی کے مجکو شوق انشا پردازی و سخن طرازی کا دامنگیر حال ہوا اور زانوئے ادب خدمت حضرت استادی مولانا مرزا اسد اللہ خاں صاحب غالبؔ دہلوی میں طے (تہہ) کر کے مدتوں خونِ جگر کھایا[1]"۔ تذکرہ آثار الشعرائے ہنود میں، جس کا ترجمہ خود بے صبرؔ کا فراہم کردہ ہے، درج ہے کہ "پندرہ برس کے سن سے اب تک شعر کہتے ہیں"۔ گویا بے صبرؔ نے پندرہ برس کی عمر یعنی لگ بھگ ۱۸۲۸ء سے شعر گوئی شروع کی۔ لیکن ۹ ہی سال میں ایسی مشق بہم پہنچائی کہ غزل، تاریخ وغیرہ اصناف کے علاوہ ایک پوری مثنوی فکر کر دی، چنانچہ مثنوی "لختِ جگر" کی پہلی روایت ۱۸۳۷ء (۱۲۵۳ھ) میں مکمل ہوئی۔ ظاہر ہے کہ یہ مشق کسی استاد کے بغیر ممکن نہ تھی اور وہ استاد غالبؔ نہ تھے بلکہ ان کے ماموں منشی ہرگوپال تفتہؔ تھے کیونکہ اس وقت تک بے صبرؔ تو کیا خود تفتہؔ بھی غالبؔ کے شاگرد نہ ہوئے تھے۔

---

[1] رسالہ بدیع البدائع ص ۱

کہتے ہیں[1] ؎

فیض تفتہؔ سے بلند آوازہ ہوں بے صبرؔ میں
ہو گئے صحبت سے جمؔ کی بول بالے زیر و بم کے

ایک قصیدے میں کہتے ہیں ؎

خدا نے میرے نیاگاں کے خانداں میں اُسے
کیا ہے میرا بزرگ اور خدایگاں پیدا[2]

یہاں "میرے نیاگاں کے خاندان" سے مراد نانا کے خاندان سے ہے۔ دادا کا خاندان مراد ہوتا تو بے صبرؔ کے لیے "اپنا یا میرا خاندان" کہہ دینا کافی تھا۔ یعنی خدا نے اُسے (تفتہؔ کو) میرے ننھیال میں میرا بزرگ اور میرا مالک پیدا کیا ہے۔۔ مطلب یہ کہ اسے میرا ماموں (نانا ناممکن) بنایا۔ تفتہؔ اس وقت راقمؔ تخلص کرتے تھے۔ انہوں نے ۱۸۳۷ء میں غالبؔ کی شاگردی اختیار کی اور راقمؔ سے تفتہؔ بنا دیے گئے۔ کچھ عرصے بعد انہوں نے بے صبرؔ کو بھی غالبؔ کا شاگرد بنوا دیا۔ بے صبرؔ کا ۵۳ شعر کا یہ قصیدہ یقیناً ۱۸۳۷ء کے بعد بلکہ اس وقت کا ہے جب بے صبرؔ، غالبؔ کے شاگرد ہو چکے تھے اور ماموں بھانجے (تفتہؔ، بے صبرؔ) میں خواجہ تاشی کا رشتہ قائم ہو چکا تھا۔ چنانچہ فرماتے ہیں

میں اور وہ دونو ہیں شاگردِ حضرتِ غالبؔ
یہ خواجہ تاشی کی نسبت ہے درمیاں پیدا[3]

ایک اور قصیدے "قندِ مکرّر" میں غالبؔ اور تفتہؔ دونوں کی مدح کی ہے۔

---

[1] کلیاتِ بے صبرؔ (قلمی)، ص ۴۷

[2] کلیاتِ بے صبرؔ (قلمی) ص ۱۶۷

[3] ” ” ” (” ”) ص ۱۸۹ [4] کلیاتِ بے صبرؔ (قلمی)

لکھتے ہیں ؎

معنی و لفظ و بود گل، مہر و شعاع و بحر و موج
ذات و صفات ایک ہیں گرچہ ہیں ان کے نام دو

حسبِ طلب صلہ ملا، میری طرف سے شکریہ[1]
ایک اسدؔ کو ہے سلام، تفتہؔ کو رام رام[2] دو

بے صبرؔ کے کلام سے یہ ضمنی اطلاع ملتی ہے کہ ۱۸۵۸ء (۱۲۷۴ھ) میں غالبؔ نے بے صبرؔ کے ایک دیوان (جو یقیناً پہلا ہی دیوان ہوگا) پر اصلاح دی تھی۔ اس طرح فی الحال یہی کہا جا سکتا ہے کہ ۱۸۳۷ء سے ۱۸۵۸ء تک کسی بھی سال میں بے صبرؔ نے غالبؔ سے اصلاح لینی شروع کی تھی۔ تاہم ان کے اس بیان کہ "زانوے ادب خدمتِ حضرت اوستادی .... غالبؔ دہلوی میں طے (تہہ) کر کے مدتوں خونِ جگر کھایا اور مشقِ سخن کو صاف کر کے سرمایہ دو دیوان اور تین مثنوی کا اردوے معلےٰ میں اور ایک دیوان فارسی بہم پہنچایا" سے ظاہر ہوتا ہے کہ پہلے دیوان کی اصلاح (۱۸۵۸ء) تک بے صبرؔ ایک لمبے عرصے سے غالبؔ سے اصلاح لیتے رہے تھے۔ یہ مدت آسانی سے پندرہ سے بیس سال کی ہو سکتی ہے۔ اندازہ ہے

---

[1] اس مصرعے کے دو ایک لفظ قیاسی ہیں۔ پڑھے نہیں جا سکے تھے۔

[2] ایک قطعے سے ذوقؔ سے اصلاح لینے کا شبہ ہوتا ہے۔ گو حقیقت میں یہ شعر ذوقؔ کے احترام کو ثابت کرتا ہے اور بس ؎

بے مزہ کیوں ہو کلام اپنا کہ ہوں بے صبرؔ میں
ریزہ چینِ خوانِ نعمت ذوقؔ سے استاد کا

کہ بے صبر نے ۱۸۳۷ء اور ۱۸۴۰ء کے مابین غالب سے اصلاح لینی شروع کی۔ بے صبر کے نام غالب کا کوئی خط نہیں ملتا۔ ہوں گے تو ضرور، یا کہیں پڑے ہوں گے یا ضائع ہو گئے۔ تاہم تفتہ کے پانچ خطوں میں بے صبر کا ذکر ملتا ہے۔ اقتباسات ملاحظہ فرمائیں۔

"ہاں صاحب، منشی بالمکند بے صبر کے ایک خط کا جواب ہم پر قرض ہے۔ مَیں کیا کروں؟ اس خط میں انہوں نے اپنا سیر و سفر میں مصروف ہونا لکھا تھا۔ پس میں ان کے خط کا جواب کہاں بھیجتا؟ اگر تم سے ملیں تو میرا سلام کہہ دینا۔"

چار شنبہ سوم نومبر ۱۸۵۸ء

"لالہ گنگا پرشاد شاؔد تخلّص اپنے کو تمہارا شاگرد بتاتے ہیں مگر ریختہ کہتے ہیں۔ کئی دن ہوئے کہ یہاں آئے اور بالمکند بے صبر کی غزلیں اصلاح کو لائے، وہ دیکھ کر ان کے حوالے کر دیں۔"

شنبہ ۲۷ نومبر ۱۸۵۸ء

"منشی بالمکند بے صبر کا خط بلند شہر سے دلّی اور دلّی سے رام پور پہنچا، تلف نہیں ہوا۔ اگر میں یہاں رہ گیا تو یہاں سے، اور اگر دلّی چلا گیا تو وہاں سے اصلاح دے کر ان کے اشعار بھیج دوں گا۔ بے صبر کو اب کی بار مہینا بھر صبر چاہیے۔ وہ لفافہ بدستور رکھا ہوا ہے۔ ازبس کہ یہاں کے حضرات مہربانی فرماتے ہیں اور ہر وقت آتے ہیں، فرصت مشاہدہ اوراق نہیں ملی۔ تم اسی رقعے کو

ان کے پاس بھیج دینا۔"

سہ شنبہ - ۱۴ فروری سنہ ۱۸۶۰ء

" دو مسودے تمہارے اور ایک مسودہ بے صبر کا، یہ تین کاغذ در پیش ہیں۔ دو ایک دن میں بعد اصلاح ارسال کیے جائیں گے۔ خاطر جمع رہے۔"

صبح جمعہ - ۲۰ جولائی سنہ ۱۸۶۰ء

" لالہ بالمکند بے صبر کا ایک پارسل ہے کہ اس کو بہت دن ہوئے۔ آج تک سرنامہ بھی نہیں کھولا۔"

۲۷؍ نومبر سنہ ۱۸۶۲ء

کلیاتِ بے صبر (قلمی) میں ایک قصیدہ، ۵۳ اشعار کا، تفتہ کی شان میں ہے۔ ایک قصیدہ (۴۴ شعر) مسمّی "قندِ مکرّر" غالب اور تفتہ دونوں کی مدح میں ہے۔ دو قصیدے غالب کی شان میں ہیں جن میں بتدریج ۴۱ اور ۵۲ اشعار ہیں۔ غالب کے دونوں قصیدوں میں سے وہ چند اشعار پیش کیے جاتے ہیں جن کا تعلّق تلمّذ غالب سے ہے ۔

جس کا غالب ہے تخلص، اسد اللہ ہے نام
یہ تو ہے کفر جو کہیے کہ ہے یزداں میرا
پیر ہے ہادی مرا، رہبر مرا، استاد میرا
قبلہ ہے، کعبہ ہے، دیں میرا ہے، ایماں میرا

جو مہر سے ہے ذرّے کو نسبت وہی مجھے
نسبت ہے میرزا اسدؔ اللہ خاں کے ساتھ
غالبؔ ہے غالبؔ الشعرا کا مرے لقب
رشتہ تلامذہ کا ہے اس نکتہ داں کے ساتھ

کلیاتِ بےصبرؔ میں جا بجا اور بھی اشارے ملتے ہیں جیسے ۔

التفاتِ حضرتِ غالبؔ سے اے بےصبرؔ اب
مجھکو حاصل شیوۂ شیوا زبانی ہو گیا

بےصبرؔ مثلِ غالبؔ روزِ ازل سے اب تک
پیدا ہوا نہ ہوگا صاحب زباں زمیں پر

شگفتہ خوش زمیں ہے یہ بفیضِ حضرتِ غالبؔ
غزل بےصبرؔ کر ایک اور بھی تحریر سینے میں

مشاعروں پر کیوں نہ غالب آؤں اے بےصبرؔ میں
حضرتِ غالبؔ ہیں آخر کو مرے استاد بھی

شب تنہائی میں بےصبرؔ بقولِ غالبؔ
سایہ خورشیدِ قیامت میں ہے پنہاں مجھ سے

خوب کی پیروی حضرتِ غالبؔ، شاباش
کہ وہ ملت میں قصیدے کی ہے پھلا مُرسل

کیوں نہ لے بے صبرؔ غالبؔ ہو سخن سب پر مرا
اس کو ہے اصلاحِ غالبؔ میرزا کی ان دنوں

ان کے علاوہ کلیاتِ بے صبرؔ میں ۸ غزلیں ایسی ہیں جو "استاذی حضرت مرزا اسد اللہ خاں صاحب غالبؔ سلمہ اللہ تعالےٰ" کی غزلوں کو سامنے رکھ کر کہی گئی ہیں۔ غالبؔ کی شان میں ایک قصیدہ مثنوی "لذتِ جگر" میں بھی ہے۔ کُل اشعار ۸۴ ہیں۔ چند اشعار ایسے ہیں جن سے بے صبرؔ، تفتہؔ اور غالبؔ کے آپسی تعلقات پر روشنی پڑتی ہے۔ مثلاً اس شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ بے صبرؔ، غالبؔ کے شاگرد کا شاگرد ہے ے

میں بھی ہوں فن شعر کے گرد
شاگردوں کا اس کے ہوں میں شاگرد

یعنی پہلے تفتہؔ شاگردِ غالبؔ کا شاگرد تھا۔ غالبؔ کی شاگردی کا مرتبہ تفتہؔ کی مہربانی سے حاصل ہوا ے

تفتہؔ کے سبب بہ خواہشِ دل
رتبہ یہ ہوا ہے مجھ کو حاصل

اور اب ے

غالبؔ کا ہی وہ بھی خوشہ چیں ہے
میں ہوں اور کہیں وہ نہیں ہے

پورا قصیدہ ملاحظہ فرمائیں ـــ

قصیدہ

بے صبر! وہ صاحبِ بصیرت
انسان صورت، فرشتہ سیرت
وہ پاک سرشت، پاک جوہر
وہ پاک نژاد، پاک گوہر
روشن دل و سینہ مشرقستاں
جاں جملہ حق و تمام تن جاں
خورشیدِ سپہرِ عز و تکریم
ماہِ فلکِ رضا و تسلیم
عقل اس کی تنِ عقول کی جاں
نفس اس کا نفوس کا نگہباں
طے کردۂ وادیٔ طریقت
پے بردۂ منزلِ حقیقت
دانائے اصولِ علمِ معقول
آگاہِ رموزِ فنِ منقول
ہر علم میں باکمال ہے وہ
ہر فن میں بے مثال ہے وہ
اُستادِ جہاں فصاحت آموز
سبحانِ زماں، بلاغت اندوز
شاہنشہِ کشورِ معانی
فرماں دہِ ملکِ نکتہ دانی
اُستاد بہر زباں، سخن گو
مختص بہ زبانِ فرس و اردو
نام اس کے سے کرتا ہوں میں آگاہ
اوّل ہے اسد اور آخر اللہ
مشہور تخلّص اس کا غالبؔ
مطلوبِ دلِ ہزار طالب
مرزا نوشہ لقب ہے اُس کا
ثانی کوئی اور کب ہے اُس کا
ہے سعدیِ آخر الزّماں وہ
نے نے سعدی کہاں، کہاں وہ
ہوتا وقت اب جو انوری کا
بھرتا نہ وہ دم سخن وری کا
خاقانی اگر موا نہ ہوتا
کیا اس کا گدا ہوا نہ ہوتا
جیتا اگر اب تلک نظیری
جاتا بھول اپنی بے نظیری

کرتا نہ اگر جہاں سے دوری
پاتا نہ ظہور اب ظہوری
مرتا اگر اب تلک نہ صائب
ہوتا وہ سخن وری سے تائب
عرفی جو گیا ہے نوجواں مر
غالب سے گیا وہ غالباً ڈر
گر بیشِ علی حزیں نہ مرتا
ترکِ سخن اختیار کرتا
کیا بھرتی نہ بیشِ ہندیانی
شمشیرِ کمالِ اصفہانی
دلی سے گئی جو صیتِ غالب
بھاگی امل سے روحِ طالب
جب پارسیوں کا حال یہ ہے
یہ قال ہے اور مقال یہ ہے
سودا اور مصحفی و جرأت
ناسخ اور درد و میر و حسرت
شاعر ہیں یہ سب جو ریختہ گو
غالب کی نہ ان سے ہمسری ہو
گر بر سرِ مو مرا، زباں ہو
وصف اس کا نہ حشر تک بیاں ہو
خوش خلق ہے، خوش مزاج، خوش خو
خوش رو ہے وہ خوش نصیب خوش گو
بے مثلِ طمع، طمع سے خالی
ہمت اسے دی خدا نے عالی
دل اس کے پہ بے نیازی کو ناز
مستغنی و سیرِ چشم و بے آز
لے کر کوئی احتیاج گر آئے
مایوس نہ اس کے در سے وہ جائے
عالم میں ہے فیض عام اُس کا
فیاضی ہے خاص کام اُس کا
جو اس کے تلامذہ میں آیا
دخل اس پر نہ معترض نے پایا
میں بھی کہ ہوں فنِ شعر کے گرد
شاگردوں کا اس کے ہوں میں شاگرد
میں ذرہ ہوں اور ہے وہ خورشید
خورشید سے ذرہ کو ہے تائید
میں قطرہ ہوں اور بحرِ عماں
عماں سے وجودِ قطرہ ہے ہاں
آپ اس نے ہی ہوں میں جس کا مداح
دیوان کو میرے دی ہے اصلاح
مجھ کو دیا افتخار اُس نے
بخشا ہے مجھے اعتبار اس نے
ہے زیبِ سر اس کے در کی جو خاک
پہنچا مرا سر بہ اوجِ افلاک

حق اس کو رکھے سدا سلامت   شاگرد نواز تا قیامت
تفتہؔ کے سبب یہ خواہشِ دل   رتبہ یہ ہوا ہے مجھ کو حاصل
وہ چرخِ زمینِ شعر تفتہؔ   ہے جس کا سخن مہِ دو ہفتہ
ہندی رہِ فرس کا ہے رہ رو   عہد اپنے کا ہے امیر خسرو
ناطق ہے وہ فارسی زباں میں   ہے غلغلہ جس کا اصفہاں میں
ہے تفتہؔ آتشِ محبت   ہے جس کا کلام پُر حرارت
غالبؔ کا ہی وہ بھی خوشہ چیں ہے   میں ہوں کہیں اور وہ کہیں ہے

اے ساقیٔ خوش کلام لا جام
مجھ کو مئے فیض کا پلا جام

بے صبرؔ کے کلام پر غالبؔ کی اصلاحیں منشی مہیش پرشاد کو دستیاب ہوئی تھیں اور وہ انہیں شایع بھی کرنے والے تھے مگر نہ جانے کیا ہوا کہ منشی صاحب کے انتقال کے بعد ان اصلاحات کا کچھ پتا ہی نہیں چلا۔ جنابِ سحرؔ عشق آبادی نے بے صبرؔ کے کلام پر ایک اصلاح کا ذکر "شکستِ ناروا" کے عیب کے سلسلے میں کیا ہے۔ لکھتے ہیں[1]۔

> " (غالبؔ نے منشی بال مکند بے صبرؔ سکندرآبادی کی غزل پر لکھا کہ اس بحر میں تمہارا نام اچھی طرح آ سکتا ہے۔ بے صبرؔ نہ لکھو بال مکندؔ لکھو ـــ
>
> میں نے کہا ترا جو بے صبرؔ تھا رات مر گیا
> کہنے لگا وہ کون تھا میں اسے جانتا نہیں

---

[1] شانِ ہند، دہلی۔ فروری ۱۹۷۵ء ص ۳۰

(اصلاح) اس سے کسی نے جب کہا، بال مکند مر گیا
کہنے لگا...............

آخر میں غالبؔ کے انتقال پر بے صبرؔ کے دو تاریخی قطعے بھی ملاحظہ کر لیجیے ؎

ہماں میرزا غالبؔ استادِ من　　　بجاں آفریں جاں چو آخر سپرد
بہ پرسیدم از دل سنِ رحلتش　　　بنالید و گفت "آہ غالبؔ بمرد"

۱۲۸۵ھ

اسد اللہ خاں وہ غالبؔ آہ　　　جس سے اہلِ کلام تھے مغلوب
جب سدھارے بسوے خلد ہوے　　　سخن ان کے اَلم میں سینہ کوب
اس سپہرِ سخن کے اخترِ کا　　　مجھکو سالِ غروب تھا مطلوب
کہا عیسیٰ نے از سرِ حسرت　　　ہوا حیف آفتابِ ہند غروب

۱۸۶۹ء

مثنوی لختِ جگر

اس مثنوی کا ایک نہایت عمدہ مطبوعہ نسخہ میرے کتب خانے میں موجود ہے جس کا سرورق یوں ہے۔

اللہ جمیل ویحب الجمال

المنۃ اللہ کہ زمزمۂ شگرفِ جاں پرور و ترانۂ عاشقانۂ پر اثر موسوم

بہ

مثنوی لختِ جگر

من تصانیف نکتہ سرائے محسودِ ترسا و گبر منشی بال مکند سکندر آبادی متخلص بہ بے صبر
در مطبع خورشیدِ جہانتاب سہارنپور منطبع شد
فی جلد منشی امیر سنگھ پروپریٹر ۱۲ر

متن ص ۲ سے شروع ہو کر ص ۱۴۲ پر ختم ہوتا ہے، اور ص ۱۴۲ سے ص ۱۴۳ تک تاریخی قطعات ہیں۔ آخری الفاظ یہ ہیں :

" کتبہ نجم الدین لاہوری
باہتمام عمر دراز خان پریس مین "

ص ۱۴۴ پر "قطعہ بے صبرؔ تضمین مصرعہ سعدیؔ" ہے جس کا تعلّق مثنوی سے نہیں ہے، محض خالی صفحہ بھرنے کے لیے لکھا گیا ہے یا اسے کاتبِ مثنوی نجم الدّین لاہوری کی خوشنویسی کا نمونہ کہا جا سکتا ہے ؎

کہا جو میں نے لبِ لعل کیا بُرے تھے ترے
کیے مسی سے جو تو نے سیاہ باعثِ زیست
تو ہنس کے بولے کہ ہے قولِ شیخ اے بے صبرؔ
کہ آبِ چشمۂ حیواں درونِ تاریکیست

تذکرۂ سخنِ شعرا میں نسّاخ نے بے صبرؔ کو فارسی گو کہا ہے مگر فارسی کا کوئی شعر نہیں دیا شاید اس لیے کہ تذکرہ اردو شاعروں کا ہے۔ بہر حال اس مثنوی میں بے صبرؔ کی دو فارسی غزلیں بھی ہیں۔ محفوظ کرنے کے لیے یہاں پہلے انہیں درج کیا جاتا ہے ؎

غزل

جاناں دہدم شراب و نوشم — ایں کُفر بدیں کمے فروشم
بر ساقی و بادہ باد قربان — نقدِ دل و دین و صبر و ہوشم

دستِ من و دوش عیش کافروز دستِ صنم است زیبِ دوشم
از نغمہ زبان مباد خاموش گویدیدم از کسے خموشم
یار و مے و مطرب است بے صبرؔ
باید کہ بجز نشاط گوشم

غزل

چشم تو نہ پرنم از الم باد بر دامن دل نہ گردِ غم باد
تیغ غضب خدا بمیداں بہرِ سرِ دشمنت علم باد
جائے کہ درختِ فتنہ روید از تیغ جفائے تو قلم باد
جامت ز مے جہاں ستائی در دستِ تو رشکِ جام جم باد
قدِ ہمہ سرکشانِ بے مہر پیشِ تو چو ماہِ عید خم باد
بے صبرؔ نصیب تو دریں بزم
جام و مے و مطرب و صنم باد

بیانِ حالِ دلِ بیتاب و سببِ تصنیفِ کتاب

یارو کہوں کیا میں حال اپنا رنج و تعب و ملال اپنا
ہوں میں بخدا دل و جگر ریش آزردہ لعبتِ ستم کیش
بیمارِ نگاہِ مست و مخمور بیزار و نزار و زار و رنجور
صد زخم خدنگِ عشق کھائے صدمے غم و درد کے اُٹھائے
غم دیدہ و صد بلا کشیدہ بر بسترِ محنت آرمیدہ

ہے بال مکند نامِ رنجور
بے صبر تخلّص اپنا مشہور
کایتھ ہوں قوم کا میں ناشاد
ہے میرا وطن سکندرآباد
دلّی سے دوآب میں سوے شرق
ہے بیس کروہ کا اسے فرق
طفلی سے زبسکہ گوشۂ دل
رکھتا تھا بہ حسن و عشق مائل
تھا مکتبِ عشق میں سبق خواں
رخسار بتاں میری گلستاں
تھا اپنی نظر میں صبح اور شام
زلف و قدِ یار کا الف لام
تھے یاد میں خال کے نقط یاد
خوش چشموں کی چشم تھی میری ضاد
شین ابرو ریِ مژہ دہن میم
خوش خطوں سے پائے خط کی تعلیم
استاد تھا شوق اور میں شایق
نکلا فنِ عاشقی میں لایق
جب دل ہوا دلبروں کا شیدا
دل میں ہوا میرے درد پیدا
نسبت ہے جو درد کو سخن سے
اور واسطہ سخن دہن سے
سینہ میں دل و جگر تھے جلتے
شعلے میرے منہ سے تھے نکلتے
جو آیا زبان پر زبانہ
وہ ہو گیا شعرِ عاشقانہ
کہہ کر غزل و رباعی و فرد
سینہ کا نکالتا تھا میں درد
کہتے تھے رفیق مجھ سے ہر روز
کہہ تو کوئی مثنویِ پرسوز
تا ہو تیرا زورِ طبع معلوم
نابود ہو تو نہ ہو وہ معدوم
کہتا ہی میں کہ کیا کہوں میں
کب لایقِ شعرگوئی ہوں میں
کیا میری زباں ہے کیا مرا فکر
ہوگا شعرا میں کیا مرا ذکر
کیا چھوڑا ہے اہلِ مثنوی نے
خسرو نے نظامی مولوی نے
فیاضی آتشیں سخن نے
سودا نے میر نے حسن نے
اک روز کہ تھا وہ روز مسعود
سامانِ نشاط و عیش موجود
کھولی پئے انکشافِ احوال
دیوانِ لسان غیب سے فال

نکلی غزلِ خجستہ مضمون
بحرِ مجتث زحاف مجنون
تھے قافیہ عنبر و سر و بر
تکرارِ ردیف کن برابر
مطلع سے مبارک و ہمایوں
مقطع تک تھا سب اس کا مضموں
حافظ نے یہ جب کہ دی بشارت
کی طبع کو میں نے پھر اشارت
یعنی میں لگا رُلانے روتے
سلکِ گہرِ سخن پروتے
افسانہ جاں گداز کہنے
در پردہ سب اپنے راز کہنے
دل کا میرے خوں ہے یہ فسانہ
جادو ہے فسوں ہے یہ فسانہ
نَے مثنوی ہے یہ اک طلسمات
چھوٹا مرا منہ ہے اور بڑی بات
جو حال جہاں بیاں کیا ہے
کر ہو بہو اک سماں دیا ہے
جس بات کی تہ پہ آ گیا ہوں
تھی جھوٹ تو سچ بنا گیا ہوں
اس عطر سے حق کرے سراسر
ہو محفلِ قدسیاں مُعطر
منظورِ عوام ہو یہ محبوب
مشہور مدام ہو یہ محجوب
ہر مدرسہ میں یہ بار پائے
ہر بزم میں یہ وقار پائے
لختِ جگر ۱۲۵۳ اس نے نام پایا
نام و سنِ اختتام پایا
فکرِ سنِ عیسوی جو آیا
بالغ خرد ۱۸۳۷ اس کا سال پایا
جب ہو گئی ختم یہ کہانی
باقی تھی ابھی نگاہِ ثانی
مانع ہوا اس کا شوقِ یاراں
پاسِ طلبِ شتاب کاراں
یعنی نہ انھوں سے ہو سکا صبر
نقل اِس کی انھوں نے لی بصد جبر
اس طور سے ہو کے نقل در نقل
اکثر ہوئیں اس کی بیشتر نقل
اب ہے جو یہ سال سالِ مسعود
بارہ سو پہ پچھتر ۱۲۷۵ افزود
ترمیم کیا پھر اس کو میں نے
ترتیب دیا پھر اس کو میں نے
آراستہ کر دیا اب اس کو
پیراستہ کر دیا اب اس کو

غالب کی نگاہ سے گزر کر   بے عیب یہ ہو گئی سراسر
تصنیف کا سال تھا جگر لخت ۱۲۵۳ھ   ترمیم کا سن "زہے میرا بخت" ۱۲۷۵ھ
امید یہ دوستوں سے ہے اب   پہچان کے مجھ کو طفلِ مکتب
اوّل تو کریں نہ عیب جوئی   اور پائیں خطا صریح کوئی
اصلاح کریں بہ عیب پوشی   اغماض سے یا کریں خموشی
پہلا کوئی نسخہ گر کہیں پائیں   کچھ اس پہ نہ التفات فرمائیں
اے ساقیِ شوخ رند مشرب   جام مے عشق دے مجھے اب

مثنوی یہاں وہاں سے

ایک ابرِ شرار بار ہے عشق   طوفانِ محیطِ نار ہے عشق
سیلِ یم زمہریر ہے عشق   جوشِ کرۂ اثیر ہے عشق
عالم سوز آفتابِ محشر   آتش گہِ عشق کا ہی اخگر
تب لرزہ برقِ آتشیں دم   سوزِ دلِ آتشِ جہنم
صبر و دل و جاں کا خانماں سوز   آشوبِ زمین و آسمان سوز
زرد اس سے ہے رنگِ روئے آتش   لرزاں تنِ شعلہ ہائے سرکش
ہے برق اسی تپش سے بیتاب   خورشید اس آگ کا ہے سیماب
ہے گرمیِ بزم داغِ جاں سوز   غم خانۂ دل میں مشعل افروز
اس یم میں کہ ہے یہ بحرِ آذر   بیتاب ہے ماہیِ سمندر
ہر چند نہیں ہے خود خدا عشق   لیکن نہ خدا سے ہے جدا عشق

ہے عشق بنائے آفرینش
نورِ نظرِ چراغِ بینش

بے صبر سخن ہی تھا وہ اعجاز   کُن جس کو کہیں بمنطقِ راز
جاں جس کے سبب در آئے تن میں   کی نطق نے جا دہن دہن میں
گو جب سے زمانہ در گذر ہے   جاں بخشی کا اس میں پر اثر ہے
ہر ملک میں ہر زماں میں ہر دم   ہیں حد سے فزوں سخن فراہم
گویا کہ سخن بھی اک جہاں ہے   نئے نئے نہ جہاں جہانِ جاں ہے
کچھ یاں نہ مقامِ دم زدن ہے   کیا وسعتِ عالمِ سخن ہے
ہو گزرے کہن زمانے ہیں تو   پاتا ہے بہر زمانہ یہ نو
بحروں کی ہیں اس میں بحر اطراف   ہیں کوہ ردیف و قافیہ قاف
باغ اس میں صنائع و بدائع   دشت اس میں بڑے بڑے وقائع
کشور ہیں قصیدہ مثنوی ملک   کہنہ ہے یہ عالم اور نوی ملک
ہیں اس میں رباعی ربع مسکون   ہے ناظم ملک طبع موزوں
شاعر ہیں سب اس کے صاحبِ تاج   مضمونوں کے بے شمار افواج
نام آوری اس کا ہے محاصل   فکر اس میں ہے کار دار عامل
رکھتا ہے زمین شگفتہ یہ دہر   ہیں بیتوں کی بیت اور غزل شہر
گُل اس میں ہے بود و باش یعنی   جانے جیسے ہو تلاش یعنی
شے ہے سو جہاں میں بے سخن ہاں   سب بولتے دم کا ہے یہ ساماں

تا مردِ سخن نہ گفتہ باشد
عیب و ہنرش نہفتہ باشد

حُسن و نمک و نزاکت و ناز   ایامِ بہار و سبزہ آغاز
پیشانی پہ اس کی نورِ اقبال   چشم بد دور بارہواں[۱۲] سال
ہر علم و ہر ایک فن سے ماہر   آثارِ شجاعت اس سے ظاہر

تھا یوسفِ مصرِ حُسن وہ پور   اس رُو سے عزیز تھا وہ مشہور
اُس ضیغمِ دشتِ شوق کا دل   تھا بسکہ سوئے شکار مائل
جنگل میں ہمیشہ سیر کرتا   صیدِ دلِ وحش و طیر کرتا
واللہ یہ شوق ہے بہت خوب   کیوں بادشہوں کو ہو نہ مرغوب
ظاہر میں ستم گری ہے معلوم   باطن میں ہے بارِ عام مظلوم
ظاہر میں ہے لہو لعبِ نخچیر   باطن میں ہے مشقِ تیر و شمشیر
ظاہر میں ہے محنت و خرابی
باطن میں ہے فالِ فتح یابی

باہم گل و سرو میں لڑائی   ہر اک بغرور و خود ستائی
گل کہتا تھا میں بزرگ تر ہوں   شاہان و بتاں کا زیبِ سر ہوں
محفل مری بو سے ہو معطر   پہنچائے دماغ کو فلک پر
ہے رنگ مرا پسندِ احباب   موزوں مرا قد و خد ہے سیراب
کہنے لگا سرو دار پر چڑھ   پر بھول کے مت کسی کے سر چڑھ
سر چڑھنا نہ کام ہے ہنر کا   ہے بلکہ یہ کام دردِ سر کا
ہاں سچ ہے کہ بو ہے تیری نازل   جز دردِ سر اس سے ہو نہ حاصل
جس شخص کے بو دماغ میں ہو   کہتے ہیں سبھی مدمغ اس کو
ہوتے کہیں پست قد ہیں سردار   چھوٹا ترا قد بڑی ہے گفتار
اس رنگِ دو روزہ پر نہ کر ناز   میں تجھ سے زیادہ ہوں سرافراز
کیوں شاد نہ ہوں کہ ہوں میں شمشاد   مجھ کو کیا حق نے سرو آزاد
ہے قد مرا حدِ قدر والا   ہے نام یہی میرا سروِ بالا
سیرت مری راستی میں مشہور   یہ بات نہ راستی سے ہے دور

یاں تک تو ہے راستی کو تاثیر
کر لیتا ہے سینہ میں جگہ تیر
گل پھر ہوا اُس کے یہ سخن کو
ہے کلُ طویل احمق تو
گر راست ہے تیری خود ستائی
کیوں فاختہ سی ہے کج ادائی
آزادی کی اپنے کر نہ تقریر
ہے پاؤں میں موجِ آب زنجیر
سر تا با سر کشی کو کم کر
سر کو بدرِ نیاز خم کر

بیٹھا شہِ عشق تختِ دل پر
قابض ہوا ملکِ آب و گل پر
نوبتِ غمِ ہجر کی بجائی
اندیشہ کی پھر گئی دُہائی
قبضہ کیا گنجِ نقدِ جاں پر
جزیہ لگا غم کا استخواں پر
سکّہ زرِ داغ کا چلایا
خطبہ خود کفر پڑھنے آیا
شہزادہ کو جب غرض ہوا ہوش
اٹھا تو ولے ز خود فراموش
گل سا وہ رُخ اُس کا زعفرانی
تس پر بھی اشک ارغوانی
گم ہوش و حواس و چشم حیراں
بیتاب و قرار و مو پریشاں
بھڑکی دل و جان و تن میں آتش
خاطر آزردہ دل مشوش
نے تن میں تواں نہ دل میں آرام
سودا و جنوں و ضبط و سرسام
وحشت سے کبھی چمن میں سارے
پھرتا تھا وہ ڈوڑا ڈورا بارے
گرتا تھا کبھی پچھاڑ کھا کر
روتا کبھی شور وہ مچا کر
سر کو کبھی مارتا زمیں پر
ملتا کبھی چشم آستیں پر
کرتا کبھی اپنا پیرہن چاک
گہ لوٹتا تھا یہ بسترِ خاک

پوچھا کہ کہو تو مختصر حال کہنے لگے شکر ہے بہر حال
پوچھا کہ ہے رنگ کیا تمہارا بولے کہ جو ہے سو آشکارا
پوچھا تمہیں کچھ تو ہے شش و پنج بولے نہ بشر ہے بے غم و رنج
پوچھا کہ نہ بے سبب ہو کچھ بات بولے کہوں کیا سبب ہیں ہے ہات
یہ کہتے ہوئے کمال مضطر
رونے لگے ہائے ہائے کر کر

بے صبر مغنی زمانہ ہر دم نیا چھیڑے ہے ترانہ
گہہ سوز کی یہ لگا کر آواز آہنگ الم کو کرتا ہے ساز
گہہ نغمۂ تہنیت کو گا کر زاہد کو بھی چھوڑے ہے نچا کر
زخمہ میں ہے اس کے تارِ عالم پردے میں ہے اس کی شادی و غم
طبلہ میں ہے اس کے مشک اور قیر
چٹکی میں ہے اس کے زہر و اکسیر

بے صبر گئے خزاں کے ایام دینے لگے نو بہار پیغام
دیوانوں نے توڑیں اپنی زنجیر صحرا کو لیا جنوں نے جاگیر
آراستہ پھر گلوں نے کی بزم بلبل کو چمن کا پھر ہوا عزم
وہ گل ہے جو گلستاں میں تھا آہ جوں نرگس خشک چشم بر راہ
پیغام بہار سن کے یکبار
بس کھل گیا باغ باغ وہ زار

بے صبر عجب مزا ہو جس دم مل جائیں کہیں دو یار باہم

خلوت کی ہو جا وہ پردہ کی اوٹ   وہ عشوہ و غمزہ کی بہم چوٹ
وہ ناز و نیاز کی ہوں باتیں   وہ بوس و کنار کی ہوں گھاتیں
احوال سنائیں اپنا اپنا   اخلاص جتائیں اپنا اپنا
آپس میں پئیں شراب دونو
آخر کو ہوں بے حجاب دونو

مغرب کی طرف سے ہو کے اک شور   اک زلزلہ آیا واں بصد زور
شدت سے لگی زمین ہلنے   پانی لگا بحر کا اچھلنے
کہسار لگے جگہ سے جانے   اشجار لگے پچھاڑ کھانے
سقف و در و صحن و بام کانپے   جسم و دل و جاں تمام کانپے
فتنہ کے زمیں میں گڑ گئے پانو   البرز کے بھی اکھڑ گئے پانو
صدمے سے ہوا دل زمیں شق   رنگ رُخ خلق ہو گیا فق
گرنے لگے قصر نیچے آگے   جنگل کو سب اہل شہر بھاگے
شہزادہ بہار اور صنوبر   لرزاں نکل آئے گھر سے باہر
بھونچال تو تھا ہی عالم آزار   آندھی کا بھی غٹ ہوا نمودار
گردوں کو چھپایا خار و خس نے
بادل لگا خاک کا برسنے

شہزادہ جو تھا وہ غیرت مہ   یاروں نے بنایا اس کو دولہہ
گلگونہ ملا رخ و بدن پر   حمام میں غسل اُسے کرا کر
رنگین کیا اس کے دست و پا کو   پُرچیں کیا طرّۂ دوتا کو
آنکھوں میں لگایا اس کے کجل   پوشاک پہ عطر فتنہ مل مل

پہنا دیا خلعتِ شہانہ   زیبا کیا تاجِ خسروانہ
سہرا برُخِ منوّر ایسے   خورشید پہ ہو شعاع جیسے
موتی کی پنھائی اس کو مالا   پھولوں کا گلے میں ہار ڈالا
کچھ تھا ہی خـبمن شاہزادہ   کچھ اور بھی بن گیا زیادہ
یہ حسن کا اس کے دیکھ عالم   دم کر دیا پڑھ کے اسمِ اعظم
اس طرح بنا سنوار ن کو   گھوڑے پہ کیا سوار اُس کو
نقارے پہ پڑ گئی ادھر چوب   بجنے لگی قلعہ پر ادھر توپ
وہ زیر کی گونج بم کی وہ گھور   تاشوں کا پڑا ہر طرف شور
کرنا کی للک تُرّی کا انداز   شہنائی کی وہ سہاتی آواز
زربفت کی بیرقیں جھلکتی   شادی کی ہوا میں تھیں بھڑکتی
گھوڑوں کے ترچھے بانکے   جکڑے ہوئے ترکش و کماں کے
چمکاتے سمند بادپا وہ   باندھے ہوئے جاتے تھے پرا
چاروں طرف ایک حلقہ پیل   صد پیل سبک رو دگراں ڈیل
جھول ان پہ زری کی بھاری بھاری   یاقوت کی ہودج و عماری
گھڑنال ہزاروں اور شترنال   آواز سے جن کی آئے بھونچال
فیروزے کی، پالکی ہزاروں   رتھ سینکڑوں نالکی ہزاروں
سردار تمامی و زری پوش   جام مئے خرمی کیے نوش
جاتے تھے جلو میں آگے آگے   سب جھومتے محفلوں کے جاگے
خوش پوش نقیب اور جلو دار   کرتے ہوئے چوبدار ہشیار
وہ تخت رواں اور ان پہ چوباں   خوش نغمہ سرا و پاے کوباں
روشن ہوئیں مشعل شب افروز   شب ہو گئی غیرتِ دو صد روز
کچھ روشنی کچھ ہجومِ مشعل   کچھ تابشِ ہودج مشکّل

کچھ طاش و زری کا زرق اور برق   جولاں گہِ برق و عرصۂ شمرق
لشکر کا غل اور بلوں کا جمگھٹ   چاروں طرف اہلِ شہر کا غٹ
عالم ہوا جمع آن کر ایک   گرنے لگا پھنس کر ایک پر ایک
شفقت در و بام پر تھا بالکل   طفل و زن و مرد کا جدا غل
اس طرحِ غرض برات سج کر   پہنچی درِ دولتِ ملک پر

خاتمۂ کتاب

صد شکر ہزار شکر لک شکر   تا زندگی شکر حشر تک شکر
صد شکر ہوا یہ تازہ بستان   غیرت وہ گلستانِ رضوان
رنگیں جو بندھے ہیں اس میں مضمون   گل ہیں اور سروِ شعرِ موزوں
آشفتہ بیانی اس کا سنبل   سوز اور گداز صوتِ بلبل
ہیں زیبِ کلام ساقی نامے   تاک اس میں تمام ساقی نامے
تمہیدوں کی جا بجا ہیں کیاری   ہے نہرِ لطافت اس میں جاری
ہیں سرخیاں لالہ زار اس میں   سر تا پا صد بہار اس میں
دے دے کے جگر سے آبِ خوناب   یہ باغ کیا ہے میں نے سیراب
بخشی اسے حق ابد کی بنیاد   مجھ سے میرے بعد یہ رہے یاد
دی اس کو خدا بہارِ جاوید   اس سے ہے مجھے افتخارِ جاوید
ہو مرغِ قبول اس کا بلبل   پہنچے سرِ ہر زبان پہ یہ گل
رنگ اس کے سے ہو نظر منوّر   بو اس کے سے مغزِ جان معطر
اہلِ نظر اس میں سیر فرمائیں   گل چینی کو اس میں نکتہ چیں آئیں

آہن ہے تو یہ ہے زر ہے تو یہ   حنظل ہے تو یہ شکر ہے تو یہ
خوش ہو کوئی یا خفا ہی ہے   جو ہے سو بُرا بھلا ہی ہے
ہے میرا [ایک] چھوٹا بھائی   اس کو جو یہ بول چال بھائی
تاریخ کا کر کے فکر فی الحال   ١٢٥٣ مرغوبہ کہا کہ اس کا ہے سال
مشفق مرے اک بشن نرائن   کشمیری ہیں قوم کے برہمن
ہیں شاعری سے وہ گرچہ آزاد   تاریخ کے کہنے میں ہیں استاد
سن کر اسے وہ بصد مسرّت   بولے کہ یہ ہے بیاض دولت ١٢٥٣
ہندی میں دعا دی ہو کے مسرور   اللہ یہ مثنوی ہو منظور ١٨٩
اب دوستو اس کو یہ دعا دو   مقبولِ جنابِ کبریا ہو

بے صبر نہیں ہے مجھ میں اب ہوش
خاموش ہوا ہے بس اب ہو خاموش

مثنوی اخگرِ عشق

رسالہ بدیع البدائع میں "سوانح عمری مصنّف" کے تحت بے صبر کی جن تصانیف کا ذکر ہے اُن میں چھٹی تصنیف مثنوی اخگرِ عشق ہے۔ اس کے روبرو لکھّا ہے۔ "درحقیقت یہ مثنوی اسم بامسمّٰے اخگر ہے۔ چھپ گئی"۔ پھر اسی رسالے کے ص ۳۲ پر یہ اندراج ہے:

"تاریخ مثنوی اخگرِ عشق راقم۔ بیت ؎

جس کا سن لالۂ پُرداغ ملا

۱۲ ۷ ۳

پر وہ لالہ برِ باغ ملا

۲

لالۂ پُرداغ مادّۂ تاریخ کے اعداد بارہ سو تہتّر ہوتے ہیں جب برِ باغ کے عدد کہ بائے عربی اور اس کے دو عدد ہیں، زیادہ کیے تو ۱۲۷۵ عدد سالِ مطلوب کے پورے ہو گئے"

اس طرح یہ شبہ باقی نہیں رہتا کہ یہ مثنوی کہی بھی گئی تھی اور شایع بھی ہوئی تھی مگر

اس کا چھپا ہوا کوئی نسخہ دستیاب نہیں۔ عرصہ ہوا ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب کو اس مثنوی کے چند قلمی اوراق دستیاب ہوئے تھے مگر وہ بھی کہیں کاغذات میں کھو گئے۔ اب میری درخواست پر انہوں نے ڈھونڈ ڈھانڈ کر اس کے ص ۳ تا ۱۰ بہم پہنچائے ہیں۔ انہیں میں سے کچھ اشعار یہاں نقل کیے جاتے ہیں۔

”دے مضامیں کو مرے رنگِ قبول   زمزمے کو مرے آہنگِ قبول
آئے تا حضرتِ غالبؔ کو پسند   جس کا شاگرد ہوں میں بالمکند
ہے تخلص مرا بے صبرؔ عیاں   قصہ اک کرتا ہوں سچا میں بیاں
جس کا سن لالۂ پر داغ[۱۲۷۵] ملا   پر وہ لالہ بہ سرِ باغ ملا
اخگرِ عشق ہوا اس کا نام   ہو بخیر اس کا الٰہی انجام“

(راوی کا بیان ہے)

کہ بنارس میں کوئی تھا اِک مرد   ہمہ رنج و ہمہ سوز و ہمہ درد

- - - - - - - - - - - - - - - -

بیس بائیس[۲۲] برس کا تھا جواں   شعلۂ رُخ سے عیاں خط کا دھواں
آپ بھی گرچہ طرحدار وہ تھا   رشکِ گُل غیرتِ گلزار وہ تھا
دل میں ہر داغ برنگِ نالہ   اس کا دل آگ کا تھا پرکالہ
مثلِ سروِ لبِ جو ما قد موزوں   لیک پا بستۂ زنجیرِ جنوں
ضعف سے شعلۂ لرزاں وہ قد   ہمہ تن سروِ چراغاں وہ قد
سر پہ زلف اس کے بلا تھی کالی   رشکِ سنبل بہ پریشاں حالی

- - - - - - - - - - - - - -

وہ ادا سن ابروے خمدارِ ہلال   غیرتِ ماہِ محرّم ہر سال
اشک سے تر سرِ خارِ مژگاں   خارِ پرنم میں خلیدن ہو کہاں

چشمِ مخمور تھی اُس کی پُرنم   نرگسِ آلودۂ آبِ شبنم
مست و پُرخواب و سیاہ و مخمور   خواب کی چشمِ بد اُس سے پرے دور
رخِ گلفام جو تھا غم سے زرد   صاف چھپتا نظر آتا تھا درد
دیکھ لب اس کے دمِ گرم سے خشک   خونِ یاقوت ہوا شرم سے خشک

* * *

حُسن اور عشق کا تھا ایک گلزار   جس میں پیوندِ خزاں تھا یہ بہار
بسکہ تخمِ شررِ عشق اوّل   کشتِ دل اس کی میں در روزِ ازل
بویا تھا اُس لیے تا ہو کے شجر   لائے خورشیدِ قیامت کا ثمر
جُوئے دل سے اسے اب جوں خوناب   غم نے دے دے کے کیا تھا سیراب
تب یہ گل اُس نے کِھلا رکھا تھا   بلبل اس گل کو بنا رکھا تھا

* * *

الغرض وہ گلِ رشکِ بلبل   بلبلِ غیرتِ گل عزتِ گل
رہا کرتا تھا دل آزردہ سا   جیتے جی عشق میں تھا مُردہ سا

[ایک روز]

تپشِ دل سے بُھنتا اور جلا   جان سے جانے کے رستے میں چلا
بے قرار، آہ بلب، گھبرایا   سیر کرنے کو لبِ گنگ آیا
سرد تا آتشِ دل آب سے ہو   آبِ گرم آہِ جگرتاب سے ہو
بے خبر اس سے کہ آبِ دریا   روغن اس آتشِ دل کو ہوگا

[اتنے میں ایکس آگ کی بیٹیاں غسل کرتی ہوئیں اور پانی سے کھیلتی ہوئی نظر آئیں۔ جن میں سے ایک "رشکِ برجیس" تھی ــ]

گورا گورا وہ بھبوکا سا بدن   بکھرے بالوں کی دھواں دار پھبن

قطرے یوں بالوں سے ٹپکے بارے   جوں شبِ تار میں ٹوٹیں تارے

جوہری کی تھی وہ صاحبزادی   نہ ہوئی تھی ابھی اس کی شادی
اب اگر اس کا سراپا میں کہوں   کہو جز نورِ خدا کیا میں کہوں

تِل ذقن پر ہے ہویدا دیکھو   دل پہ ہے خالِ سویدا دیکھو
یاد جب آ گئی گردن اس کی   ہچکی قلقل سے صراحی کو لگی

تھی کمر اس کی کہوں کیا یہ راز   موجِ دریائے حقیقت کا مجاز
یاں تلک پانی سے باہر تھا بدن   تھی کمر موجِ لبِ بحرِ سخن

ہے تو بے صبر کدھر ہوش میں آ   گفتگو ہوش کی کر ہوش میں آ
بحر سے تو سوے بر آ نکلا   تھا کدھر اور کدھر جا نکلا
توسنِ فکر کی پھر پھیر عناں   پر عرب سے بسوے ہندوستاں
گرم جولاں تو اُدھر اور اُدھر آہ   حضرتِ عشق تری تکتے ہیں راہ
دیر لائے، اُسے تشریف، ہوئی   تیرے باعث اُسے تکلیف ہوئی
تھی غرض وہ بتِ غارتگرِ دیں   ماہ رُخ، مہر لقا، زہرہ جبیں
غمزہ اور عشوہ، کرشمہ اور ناز   سحر آنکھوں میں لبوں میں اعجاز
چاردہ سالہ بلائے مردم   غیرتِ ماہِ شبِ چاردہم

مثنوی کے کل شعر جو پیش نظر ہیں ۱۱۵ ہیں جن میں سے ۵۴ اوپر درج

کر دیے گئے ہیں۔ ان اوراق کے شروع کے پانچ شعر اور آخری آٹھ شعر بغیر کسی حذف کے شامل کیے گئے ہیں تاکہ مثنوی میں ممکنہ حد تک تسلسل قائم رہ سکے۔ درمیان کے تمام ضروری اشعار بھی لے لیے گئے ہیں جن سے میرے خیال میں ایک حد تک مثنوی کے کوائف سے آگاہی ہو سکتی ہے۔

اس مثنوی کی اُٹھان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مثنوی لختِ جگر سے زیادہ رواں اور جوہرِ شاعری سے لبریز ہے۔

فی الحال اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ اگر کبھی مکمّل مثنوی دست یاب ہو گئی تو اس پر دوبارہ اور بہتر صورت میں روشنی ڈالی جا سکے گی۔

رسالہ بدیع البدایع

اِس نہایت کمیاب رسالے کا ایک عمدہ نسخہ میرے کتب خانے میں موجود ہے۔ سرورق یوں ہے:

رسالہ
مسمّٰی بہ
بدیع البدایع

علم صنایع بدایع میں بزبان اُردو
واسطے طلباء مدارس و شایقان سخن کے

من تصنیف شاعرِ باکمال سخنور شیریں مقال مقبول بارگاہ لم یزلی
جناب منشی بال مکند صاحب بے صبرؔ سکندرآبادی

حسب منشاء اشتہار

نواب معلیٰ القاب لفٹنٹ گورنر بہادر ممالک مغربی و شمالی
کشور ہند دام اقبالہٗ

نمبر ۷۹۱ الف مورخہ ۲۰ اگست سنہ ۱۸۶۸ء مندرجہ گورنمنٹ گزٹ ۲۶ اگست
سنہ ۱۸۶۸ء جو بذریعہ رزلیوشن نمبر ۲۱۷۱ الف ۱۴ مئی سنہ ۱۸۷۰ء کے مشتہر ہوا

مصنفہ سنہ ۱۸۷۰ء

مطبع دبیر ہند بلند شہر میں طبع ہوا

۱۱۰۰ جلد

یہ رسالہ اگرچہ ۱۸۷۰ء کا مصنّفہ ہے مگر مطبوعہ ۱۸۷۰ء کا نہیں بلکہ ۱۸۸۵ء کا ہے۔ خاتمۃ الطبع کے تحت درج ہے۔

" ایں نسخۂ نایاب ...... از تصنیف شاعر یکتائے روزگار
جناب منشی بال مکند صاحب بےصبر متوطن قصبہ سکندرآباد ...
...... بماہ اگست ۱۸۸۵ء مطبوع گردید۔ فقط "

اس کا موضوعِ بحث صنایع و بدایع کلام ہے۔ ہر صنعت کی تعریف و توضیح کے ساتھ فارسی اساتذہ کے شانہ بشانہ، بےصبر نے اپنے اُردو اشعار بھی کثرت سے درج کیے ہیں۔ اگرچہ آج صنایع بدایع کی کوئی اہمیت نہیں رہی تاہم بےصبر کے زمانے میں شاعر کی علمی حیثیت انھی باتوں پر منحصر تھی۔ لہٰذا بےصبر کا کلام ان خوبیوں سے مالامال ہے۔ کل صفحات ۸۴ ہیں اور ان میں بےصبر کے لگ بھگ پونے چھ سو ۵۷۵

اشعار سما گئے ہیں ۔ ان میں سے وہ اشعار جو آگے چل کر انتخاب کلیاتِ بے صبر میں شامل نہیں کیے گئے یہاں درج کیے جاتے ہیں ۔ کچھ نثری اقتباسات بھی قارئین کی دلچسپی کے لیے شامل کر لیے گئے ہیں ۔ صنعتوں کے نام بیشتر حذف کر دیے ہیں :

(ص۳) فقرہ (مرجّز) ۔

میرے مشفق مرے کرم فرما — تم کو ایزد ہمیشہ خوش رکھے
بندگی و نیازِ عجز کے بعد — خاطرِ حق گزین پہ ظاہر ہو
شوق ملنے کا اس قدر ہے کہ جو — عمر بھر لکھئے تو نہ ہوے تمام

رقعہ (عاری)

"برادر جان کے برابر سلامت ۔ بعد دعوات مزید حیات و ترقیات صوری و معنوی و دینی و دنیوی کے واضح ہو یہاں سب طرح خیریت ہے اور خیر و عافیت مزاج تمہاری جناب الٰہی سے چاہتا ہوں جب سے تم امرتسر کو گئے ہو خوشنودیِ مزاج اپنے سے مطلع نہیں کیا طبیعت متردد اور متفکر ہے چاہیئے کہ فوراً پہنچتے ہی رقیمہ ہذا کے مژدۂ صحت اور عافیتِ مزاج اپنے سے مطلع اور آگاہ کرو ، زیادہ دعا والسلام "

(ص۴) غزل

گھرائی سے کسی کی ستائی ہوئی سی ہے — اپنی طبیعت اب کہیں آئی ہوئی سی ہے
از خود یہ ہرگز اپنی نہیں سوزشِ جگر — یہ آگ تو کسی کی لگائی ہوئی سی ہے
قاصد جو کہہ رہا ہے کہ بن آئی تیری بات — کچھ یہ تو بات اُس کی بنائی ہوئی سی ہے
بوٹا سا قد چھریرا سا تن چمپئی سا رنگ — بھولی سی صورت آنکھ لجائی ہوئی سی ہے

کس فتنے کے خبط آ گئے تم بس میں سچ کہو   آنچا تو عطرِ خس میں بسائی ہوئی سی ہے
نسبت ہمارے کیا دلِ ناداں سے ہے اُسے   بلبل کی طرزِ نالہ اُڑائی ہوئی سی ہے
چھوڑی جفا سمجھ کے جفا جو مجھے اُسے   یہ بات تو کسی کی جتائی ہوئی سی ہے
دستِ جنوں سے باقی ہے اک آستیں سو وہ   تیزابِ اشکِ تر کی جلائی ہوئی سی ہے
رہنے لگا جو مجھ سے غبار اس کے دل میں اب   یہ خاک تو صبا کی اُڑائی ہوئی سی ہے
بے صبر روتے ہیں پہ نکلتے نہیں ذرا
رقّت کچھ ایسی دل میں سمائی ہوئی سی ہے

(ص۳) قصیدہ

کیوں جبیں سے قدر کا رتبہ ہو نہ کم   لوح سے پیچھے ہوا پیدا قلم
ہو گئے لوح و قلم موجود جب   ہو گئے اسرار سرتاسر رقم
آشکارا ہو کر اشکالِ حروف   بن گئے الفاظ مل کر باہم
ہو گیا لفظوں میں معنی کا ظہور   جسمِ حادث میں گئی روحِ قدم

عمر و دولت بیش و کم ہو حرص و آز   دہر میں جب تک ہے نامِ بیش و کم
نازکی بدخواہ کی ہو لاغری   فربہی ہو جسمِ دشمن کی ورم
دُرّۃ التاج اس کا رکھے صبر نام
کیونکہ اس میں مدحِ خسرو ہے رقم

(ص۵) تشبیب ــ قصیدہ " زرفشاں "

زیب ہے فکرِ مضامینِ خالِ جاناں کا   ہر ایک نقطہ ہے مضمون ہمارے دیواں کا
خطِ غلامیِ خطِ جن و انس نے لکھا   ہر ایک مُہر کو منصب ہے یاں سلیماں کا

جو باندھیے دہنِ تنگِ یار کا مضموں
تو کیجیے قافیہ باتوں میں تنگ سحباں کا
دہن کو میرے صلے میں وہ موتیوں سے بھرے
بھروں یہ میں دم اس کی ثناء دنداں کا (کذا)
جو حرف ان لبِ غنچہ کے وصف میں ہو قلم
تو حوض صفحۂ دیواں ہو چشمۂ حیواں کا
ہزار فتنۂ خفتہ جہاں میں ہوں بیدار
بیان دور ہو گر اس کی چشم فتاں کا
نہیں نہیں یہ بھی میں نے غلط کہا بیصبر
کہاں ہے فتنہ کہ ہے دورِ شاہِ دوراں کا

صہ قطعہ

جب مرے گھر کو لگا چلنے بدل کر وہ لباس
دیکھتے ہی آئنہ ایسا وہ ششدر ہو گیا
ہل سکا نے چل سکا حیران اپنا رہ کے آپ
حیف اُس کو آئنہ سدِّ سکندر ہو گیا

قطعہ
گر سامنے آنکھ کے نہیں وہ
بیصبر شکایت اس کی کیا ہے
وہ تو مری آنکھ کی ہے پتلی
گر پیشِ نظر نہیں بجا ہے

رُباعی

اُٹھ اے کہ ہیں ایک ہم اور کام بہت
درپیش ہے راہِ عدم اور کام بہت
رہنا ہے یہاں دم کے دم اور کام بہت
افسوس ہے زندگی کم اور کام بہت

رُباعی

وحشت نہ خاک بھی ہماری نہ گئی
فریاد و فغاں و آہ و زاری نہ گئی
سیماب کو مر کر تو قرار آتا ہے
ہم مر گئے پھر بھی بے قراری نہ گئی

رباعی
جب صبح ہوئی تو یاد قامت آئی   گویا بیصبر اک قیامت آئی
آخر ہوا دن تو زلف کا دھیان بندھا   اب شام آئی اور یہ شامت آئی

رباعی
گھر آئی گھٹا یہ ناگہانی کیسی   تیار ہے برسانے کو پانی کیسی
یاں مے ہے نہ جام ہے نہ ساقی بیصبر   آئی یہ بلائے آسمانی کیسی

رباعی
اس چشم نے طور یہ نکالا کافر
دیکھا اس کو کہ ہی ڈالا کافر
کانوں جو مثل سنی وہ آنکھوں دیکھی
جادو برحق ہے کرتے والا کافر

بیت
منجم نے مجھ کو کہا وقتِ طفلی   یہ لڑکا جوانی میں بیصبر ہوگا

ولہ
غم رہو کھاتے، لہو پیتے رہو   حضرتِ دل واہ وا جیتے رہو

حکایت
تھا کسی مرشد کا مرید اک جوان   پیر نے ایک روز بہرِ امتحان
بکری کا بچہ اسے دے کر کہا   ایسی جگہ ذبح اسے کر کے لا
کوئی نہ اس کام کو دیکھے جہاں   دیکھے جہاں کوئی نہ کر ذبح واں
سن کے روانہ ہوا وہ ہوشمند   لیکے چھری اور بچۂ گوسپند

صبح سے پھرتا رہا تا شام وہ
آیا پھر انجام کو ناکام وہ
پیر سے بولا کہ نہیں ہے کہیں
ایسی جگہ کوئی جہاں ہو نہیں
مے شہر و بیاباں میں جدھر میں گیا
حاضر و ناظر نظر آیا خدا
پیر نے خوش ہو کے کہا آفریں
دی ہے تجھے اللہ نے عین الیقین
سچ ہے کہ بیرون و درون ہے خدا
خالی خدا سے نہیں اک ذرہ جا
جس کو ہوا دیدۂ بینا نصیب
ہے وہی بے صَبر خدا کے قریب

حکایت

اک شہر میں اک فقیر کامل
رہتا تھا برنگ عشق در دل
گنجینۂ نور تھا دل اس کا
ہر زور سے دور تھا دل اس کا
تھا عشق زبسکہ اس کا پیشہ
دستور یہ اس کا تھا ہمیشہ
جو روبرو آتا اس کے محبوب
یا طفل حسین و یا زن خوب
رخسار پر اس کے بے تکلف
بوسہ دینا بصد تالف
اِک دن اک بلہوس نے یہ طور
دیکھا اور ہو کے خوش کیا غور
البتہ فقیری ہے عجب شئے
بے نیش کے نوش کا مزا ہے
ہے عیش بھی اس میں اور عبادت
ہے دونوں جہان میں سعادت
اس پیر کا گر مرید میں ہوں
لطف اپنی جوانی کا اٹھاؤں
یہ سوچ کے وہ بصد تمنا
جاتے ہی ہوا مرید اس کا
یکجا ہوئے علم و جہل دو ضد
مرشد کو ملا مرید مرشد
نے ایک قدم چلا وہ تھم کر
مرشد کے رکھا قدم قدم پر
سنگِ دلِ بت سے کھا کے ٹھوکر
لنگِ رہِ عشق بیٹھا ہو کر

دل میں مرے مثل یہ بھرے ہے   جو دوڑ چلے اوگھٹ گر سب ہے
یعنی اک روز اک پری وش   آئی نظر اسکو اور وہ ہو خوش
دوڑا اور مثل طفل معصوم   رخسارۂ نازنیں لیا چوم
یہ دیکھ کے تھے جو حاضر اس دم   درپے ہوئے اس کے ہو کے برہم
مل کر لگے خوب اس کو گھڑنے   گھونسے لات اور طمانچے پڑنے
پاپوش کا لوٹا ایک جوڑا   اک بال نہ سر پہ اس کے چھوڑا
جب خوب ٹھکے تو آپ بولے   اچھے پڑے سر منڈاتے اولے
پٹ کٹ کے گیا بخدمت پیر   کی ساری سرگذشت تقریر
مرشد نے بباعث بزرگی   خاطر کی اس کی اور تسلی
اور ہاتھ میں اس کا ہاتھ لے کر   لے آیا لہار کی دکاں پر
تھا آگ میں لال ایک سنداں   سو بار اسے چوم کر کہا ہاں
تو بھی چوم ایک بار فرزند   لے لینی اگر ہے لذت قند
یہ دیکھ کے گر پڑا وہ ڈر کر   اور رہ گئے خاص و عام ششدر
سچ ہے چومے جو گرم سنداں   چومے وہ بتوں کے لعل خنداں
دکھ میں جسے دکھ نہ سکھ میں ہو سکھ   الفت کے روا ہیں اسکو سکھ دکھ

بے صبر ہے عشق سخت مشکل
آسان کہے تو ہے وہ جاہل

حکایت

سب اہل شریعت نے جب جمع ہو   انا الحق کے کہنے پہ منصور کو
کیا دار پر کھینچ کر سنگسار   تو چاروں طرف سے ہوئی مار مار
برسنے لگا اس پہ پتھر کا ابر   ولے آہ کرتا نہ تھا وہ بہ صبر
نہ لگتی تھی چوٹ اور نہ ہوتا تھا درد   وہ تھا خوں میں سرخ اور تھا رنگ زرد

ہوا وارد اس وقت شبلی بھی واں   کھڑا ہو رہا ایک سو وہ جواں
کہا اس کو جب مومنوں نے پکار   کہ تو کیوں نہیں مارتا تو بھی مار
اگر اب نہ مارے گا تو اس کے سنگ   تو ہوگا یہی دم میں تیرا بھی رنگ
یہ سُن کر دیا مار ہوکر اداس   چنبیلی کا پھول اسکے تھا جو کہ پاس
لگی پھول کی اسقدر سخت چوٹ   کہ منصور بس ہوگیا لوٹ پوٹ
یہ دیکھا تو حیران رہ کر وہ سب   لگے کہنے منصور سے ہے عجب ص۸
کیا پتھروں کا نہ تو نے خیال   اور ایک پھول سے یہ ہوا تیرا حال
کہا کیا ہی خوب اس نے اسدم سخن   کہ ضربِ جاں ہے وہ تھی ضربِ تن
خطر جان کو ضرب تن سے نہیں   مکان خود ہے بہرِ پناہ مکیں
وہ تھے سنگ کوران یہ بینا کا پھول   نیکوں رد ہوں وہ اور نیکوں سے قبول

جو بے صبر ہو واقفِ جسم و جاں
وہی اس کہانی کا سمجھے بیاں

حکایت

ایک تکیہ تھا اور اس میں دو فقیر   ایک تھا انمیں مرید اور ایک پیر
پیر کرتا طاعتِ پروردگار   کام کھیتی کا مریدِ حق گزار
تاکہ ہر قوت ہو پیدا اناج   مانگنے کی ہو نہ ہر روز احتیاج
کیونکہ ہے نزدیکِ اربابِ کمال   سارے کاموں سے بُرا کرنا سوال
اتفاقاً تھا نہ واں پیر ایک روز   تھا اکیلا وہ مریدِ نیک روز
ایک گلہ بکریوں کا آ کے واں   کھیت میں اسکے لگا کرنے زیاں
دیکھ کر کھیت اپنے کو ہوتا خراب   لیکے سونٹا واں مرید آیا شتاب
ہر طرف جو پھرتیاں تھیں گوسپند   ایک اوپر جا کے پہنچایا گزند
آگیا اتنے میں پیرِ پختہ کار   اور کہا چلا کے بیٹا مار مار

یہ صدا سُن کر مریدِ رمز داں   پھینک کر سونٹا ہوا وہاں سے رواں
اک مسافر تکیہ میں اس وقت تھا   از رہِ طعن اس سے یوں کہنے لگا
اے میاں تو کس طرح کا ہے فقیر   کام کرتا ہے خلافِ حکمِ پیر
اس نے فرمایا تھا تجھ کو مار مار   برخلاف اس کے تو ہو آیا فرار
ہنس کے وہ کہنے لگا اے راہگیر   تو ہی خود سمجھا نہیں ہے رمزِ پیر
پیر کا یہ مجھ سے کہنا مار مار   کر نہ بہرِ گوسفنداں اعتبار
بلکہ یوں کہتا تھا مجھ سے وہ بزرگ   مار اسے تیرے غضب کا ہے جو گرگ
گرگِ نفسِ شوم کو پہنچا گزند   تا گزند اس سے نہ پاوے گوسپند

سچ ہے یہ بے صبر قولِ دلفروز
سمجھے ہے عاشق ہی عاشق کے رموز

حکایت

ایک مفلس تھا شہر میں مشہور   تھا وہ اک مالدار کا مزدور
کارِ گِل اس کے گھر کیا کرتا   زندگانی بسر کیا کرتا
ایک دن اتفاقاً اس کو وہیں   پایا مٹی میں ایک لال کہیں
سنگِ خوش رنگ جو خیال کیا   جیب میں اپنی اس کو ڈال لیا
ہو گیا پھر وہ جب کہ نابینا   ہو گیا مرنے سے بتر جینا
جا کے پوچھا طبیب سے درماں   دیکھ کر کہنے وہ لگا کہ میاں
صرف تیری دوا ہے لالِ یمن   اس کو دیکھے تو آنکھ ہو روشن
جا کے پھر جوہری سے اس نے کہا   کہ مجھے لال دیجیے دکھلا
میری بینائی کی وہی ہے دوا   رحم مجھ پر کرو برائے خدا
جوہری کو دلے نہ رحم آیا   لال بیچارے کو نہ دکھلایا
آیا مایوس ہو کے اپنے گھر   بھوکے مرنے لگے زن اور پسر

ایک مدت تلک رہا وہ کور   رہا کھانے کمانے سے معذور
لال جو اس کی جیب میں وہ تھا   اس کی عورت نے ایکدن دیکھا
لیکے اس نے جو دھویا پانی سے   رہی حیران اور دکھایا اسے
کہ تیری جیب میں جو پتھر ہے   کیا تجلّے و کیا منور ہے
پڑتے ہی اس پہ چشمِ نا بینا   طرفۃ العین میں ہوئی بینا
ہے یہی لال اس نے جب جانا   پاس تھا اور نہ میں نے پہچانا
الغرض ہوگیا فقیرِ غنی   کھائی ہیرے کی مفلسی نے کنی
صد ۹ لال ہے تیرے پاس اے قلاش   جا بجا کرتا ہے عبث تو تلاش

پاس ہے صبر ہے دُرِ پُر نور
جب تلک جانتا نہیں ہے کور

حکایت

کہا ایک شخص نے جا کر کہ مجنوں   تجھے چل تیری لیلیٰ سے ملا دوں
کہا لیلیٰ تو میری بر میں یاں ہے   ملانے تو لیے جاتا کہاں ہے
کہا اس شخص نے دیوانہ ہے تو   اکیلا ساکنِ ویرانہ ہے تو
یہاں لیلیٰ کہاں ہے تیری بر میں   اگر ہے کیوں نہیں آتی نظر میں
کہا مجنوں نے تو شاید کہ ہے کور   وگرنہ دیدہ و دانستہ ہے زور
کہا اس نے مگر احول ہے تو جو   نظر اک اپنے تن کے آتے ہیں دو
کہا مجنوں نے میں احول نہیں ہوں   جُدا لیلیٰ سے میں اک پل نہیں ہوں
اگر لیلیٰ نہ ہو میری بغل میں   تو مر جاؤں تڑپ کر ایک پل میں
اگر بر میں نہ ہو وہ یارِ جانی   تو ہو کس طرح میری زندگانی
بدن ہے قیس و لیلیٰ اسمیں ہے جان   کہیں بے جان جی سکتا ہے انسان
میاں بیصبر تھا وہ عاشق صادق   جو عاشق ہو تو ہو ایسا ہی عاشق

حکایت، گلّہ بان گو کہ وہ تھا مردِ دلیر
مل گیا دشت میں اک بچۂ شیر
اس نے گلّہ میں لیا اس کو ملا
اور لیا دودھ پلا اس کو ہلا
جانتا بکری کو مادر وہ اسیر
اور بچوں کی طرح پیتا شیر
جانتا آپ کو بکری وہ ہزبر
بکریوں کی تھی جدائی اسے جبر
ایک دن پیتا تھا پانی لبِ آب
دیکھ عکس اپنا ہوا وہ بیتاب
کیونکہ شکل اپنی نظر آئی اور
بکریوں کا سا نظر آیا نہ طور
بُز نہیں ہوں میں ہوا یہ تو یقیں
لیک پھر کون ہوں جانا یہ نہیں
اس لیے رہتا تھا حیرت اندوز
کہ کئی روز کے پیچھے اک روز
اتفاقاً نظر آیا اک شیر
بکریاں بھاگیں اور اُس نے منہ پھیر
اس کو دیکھا تو اُسے ہوش آیا
عکس سے اپنے مقابل پایا
جانا جب اُس نے کہ بز ہوں میں نہ میش
کم نہیں کم نہیں میں بیش ہوں بیش
بُز بزدل نہیں ہوں شیر دلیر
بُز نہیں بُز نہیں میں شیر ہوں شیر
الغرض کر کے اک آواز بلند
جا ملا شیر سے بے خوف و گزند
اُٹھ گیا بیچ سے جب پردۂ راز
بُز ہوا شیر کبوتر ہوا باز
تو بھی بے صبر نظر کر سوی ذات
کہ تو ہے ذات نہیں ہے تو صفات

ترجیع بند

گیسو زنجیر ہے بلا کی
ابرو شمشیر ہے قضا کی
اے وعدہ خلاف کر نہ وعدہ
امید نہ تجھ سے ہے وفا کی
قاتل ترے ناوک نظر سے
ہے بیقدری کس قدر قضا کی
آپ کرتا ہے درد آزمایش
میرے دلِ درد آزما کی

گر ظلم و ستم یہی ہیں تیرے   تو ہم کو بھی ہے قسم خدا کی

بند

الفت سے تری حذر کریں گے   تجھ سے قطع نظر کریں گے
کب اٹھتے ہیں ہم تو سو ستم کر   بیٹھے ترے در پہ اب تو جم کر
خط لکھنا ہی گر خطا ہے میری   تو ہاتھوں کو میرے تو قلم کر
شاید وہ مسیح دم چلا آئے   ای مرگ تامل ایک دم کر
امید وصال چھوڑ. تجھ کو   کھوٹی نہ مری رہِ عدم کر
آتا ہے تو آ وگر نہ ظالم   قطع امید وصل ہم کر

ترکیب بند

رسم سیکھی یہ کہاں ہو جانا   لیکے دل دشمنِ جاں ہو جانا
ہے یہ پہچان کی میری پہچان   دیکھ کر مجھ کو نہاں ہو جانا
عشق میں کیا ہے عجب خبط جنوں   وہم سودا خفقاں ہو جانا
گر یہ ہے راز نہاں کا میرے   قہر ہے تجھ پہ عیاں ہو جانا
سخت جاں ایک ہمیں بھی جانو   تم اگر سخت کماں ہو جانا

بند

دل دیا تم کو خطا کی ہم نے   آپ اپنے پہ جفا کی ہم تے
ترک الفت تری کرنے کا نہیں   ستموں سے ترے ڈرنے کا نہیں
گر دوا آب بقا ہو قطرہ   حلق سے میرے اترنے کا نہیں
غم کے کھانے کا ہے گر پرہیز   مرض عشق ابھرنے کا نہیں
سو بلا کیوں نہ مرے آگے آئیں   پانو پیچھے تو میں دھرنے کا نہیں

نہ بھروں آہ تری مجلس میں   اس کی ہامی تو میں بھرنے کا نہیں

بند

جب کیا عشق تو کیا ہے ڈرنا
آخر اک روز ہے مجھ کو مرنا

ترکیب بند

تو نے لیتے ہی دل جُدائی کی   واہ کیا خوب دلربائی کی
ناتوانی صد آفریں تو نے   خوب ہی زور آزمائی کی
نہ رہے بال و پر تو مجھ کو امید   نہ رہی ہائے اب رہائی کی
دیکھیو بے وفا نہ رہ جاوے   ہوسِ آیندہ بے وفائی کی
آ جدا کر بدن سے سر بخدا   نہیں طاقت مجھے جدائی کی
بند لے کے دل تو نے کی دل آزاری   کی ادا خوب شرطِ دلداری
تشنہ گر تو مرے لہو کا ہے   زخم کھانے کا دل بھی بھوکا ہے
جب سے کھایا ہے تو نے غیر کا پان   تیرے عاشق نے خون تھوکا ہے
پرِ پروانہ نظر جل جائے   شمع رو تو وہ آگ بھبھوکا ہے
مول خنجر کو لے نہ پھیر کہ یہ   پھرنے والا مرے گلو کا ہے
میرے زخمِ جگر میں اے بے صبر   کام مرہم کا نے رفو کا ہے

بند

وہ دل افگار کیا جیئے جس کے
زخمِ تیرِ نظر لگے کاری

(ص۱۱) مثلث :

۱۔ در قتلِ ماچہ شوخ خود آرا بہانہ ساخت
مارا بغمزہ کشت و قضا را بہانہ ساخت
خود سوے ما ندید و حیا را بہانہ ساخت

آپ ہمارے کتابی سلسلے کا حصہ بن سکتے
ہیں مزید اس طرح کی شان دار،
مفید اور نایاب کتب کے حصول کے لئے
ہمارے وٹس ایپ گروپ کو جوائن کریں

ایڈمن پینل
عبداللہ عتیق : 03478848884
سدرہ طاہر : 03340120123
حسنین سیالوی : 03056406067

۲۔ مکار ہے وہ خوب اسے جانتے ہیں ہم
دستے بدوشِ غیر نہاد از رہِ کرم
مارا چو دید لغزشِ پارا بہانہ ساخت

۳۔ ڈھب دید کا لگا نہ کہیں جب کہ زینہار
رفتم بمسجدے کہ بہ بینم جمالِ یار
دستے بروکشید و دعا را بہانہ ساخت

۴۔ ثابت تھا اس پہ قتل کا دعویٰ کہ بیگمان
آلودہ بود پنجاش از خونِ عاشقان
این طرفہ مکر بیں کہ حنا را بہانہ ساخت

۵۔ بیصبر اس میں شک ہے نہ کچھ اور نہ کچھ گمان
زاہد نداشت تابِ جمالِ پریرخان
کنجے گرفت و ترسِ خدا را بہانہ ساخت

مربع

۱۔ اُمنڈ کے چاروں طرف ابر بیشمار آیا
گئے خزاں کے دن اور موسمِ بہار آیا
نیا درختوں میں برگ آیا اور بار آیا
شراب دے مجھے ساقی کہ آگیا ساون

۲۔ شراب پینا ہے ایسے میں فرض اے بےصبر　　اگر نہ شیخ پیئے تو پلا اُسے بھی بہ جبر
کہ ہے یہ برق یہ ہے رعد یہ ہوا یہ ابر　　یہ گل یہ سبزہ یہ آبِ رواں ہے اور یہ چمن

المخمس

۱۔ جہاں میں ہمیں آئے ہیں کیا برائے فراق
کہ شکلِ وصل نہ دیکھی کبھی سوائے فراق
دریغ فرقت و افسوس، ہجر و ہائے فراق
کسے مباد چو من خستہ مبتلائے فراق
کہ عمرِ من ہمہ بگذشت در بلائے فراق

۲۔ فراق نے یہ مرا کر دیا ہے ناک میں دم
کہ مر بھی جائے اگر وہ تو ہوں نہ میں خرم
ولے جو دسترسِ انتقام ہو تو صنم
فراق را بفراقِ تو مبتلا سازم
چناں کہ خوں بچکانم ز دیدہ ہائے فراق

۳۔ یہی آہیں ہیں تو اک روز میں جل جاؤں گا
راکھ ہو جاؤں گا اور خاک میں رل جاؤں گا
جان سے اپنی اگر ہے یہ خلل جاؤں گا
مرضِ عشق سے گر اب کے سنبھل جاؤں گا
تو میں دو چار برس کو کہیں ٹل جاؤں گا

ص ۱۲

۴۔ جو اذیت میں نے پائی یا مرے مشکل کشا
سو تمہیں سب کہہ سنائی یا مرے مشکل کشا
کیجیے حاجت روائی یا مرے مشکل کشا
قید غم سے دو رہائی یا مرے مشکل کشا
کیجیے مشکل کشائی یا مرے مشکل کشا

مسدس

۱۔ مدّت سے شبِ وصل کے ہونے کی خبر تھی   ہر شام سے تا صبح نظر جانب در تھی
سو آج وہ شب رشکِ شبِ قدر مگر تھی   لیکن نہیں معلوم گھڑی تھی کہ پہر تھی
کچھ ہم تو نہ سمجھے کہ شبِ وصل کدھر تھی   ٹک زلف سے رخ پر جو نظر کی تو سحر تھی

۲۔ جب سے یہ سنا تھا کہ وہ ہیں عازمِ پنجاب   تھا آہ اسی روز سے ترک اپنا خور و خواب
بیتابی سے لوٹوں تھا پڑا صورتِ سیماب   تھا دیدۂ گریاں سے رواں اشک کا سیلاب
کیا وقتِ وداعِ صنم اک دل ہی تھا بیتاب   سینہ میں مرے جان بھی سرگرمِ سفر تھی

ص ۱۲ المسبّع

فغاں ہے، آہ ہے، نالہ ہے، شور و غل ہے، غوغا ہے   جنوں ہے، خبط ہے، وحشت ہے، ہول دل ہے، سودا ہے
تپش ہے، درد دل ہے، درد سر ہے، درد اعضا ہے   قلق ہے، بے خودی ہے، وہم ہے، غفلت ہے، سکتا ہے
تعب ہے، رنج ہے، ماتم ہے، غم ہے، اور غصا ہے   مصیبت ہے، اذیت ہے، ستم ہے، دکھ ہے، ایذا ہے
خدا محفوظ رکھے عشق سے قہر الٰہی ہے

۲ پریشانی ہے حیرانی ہے بیزاری ہے، اور زاری — پشیمانی ہے بدنامی ہے رسوائی ہے اور خواری
یہ دردِ بے دوا ہے بے معالج ہے یہ بیماری — بمشکل اسمیں ہے مرنا بھی جو جینا بدشواری
خرابی اضطرابی اور بے خوابی و بیداری — جہاں ہو جس سے ناحق دشمنِ جاں ہے، وہ کیا یاری
غضب ہے، قہر ہے، آفت ہے، شامت ہے، تباہی ہے

المثمن

۱۔ ابر برسنے لگا پھول گیا لالہ زار — لو کی ہواتے رہے خوب اُگائے شرار (کذا)
سنبل تر پر ہوئی بادِ صبا مشکبار — مہکی بنفشے کی بو ہو گیا گلشن تتار
ص۱۳ آگئی فصلِ بہار کھل گئے گل بیشمار — ایک سے لالہ ہے سو سو سے ہزار ہزار
جانوروں کا ہے شور بر سرِ ہر شاخسار — آئی ہے کس دھوم سے فصلِ بہار ابکی سال

۲۔ نیرِ اعظم ہوا دلو میں رونق فزا — آیا بسنت اور ہوئی معتدل اچھی ہوا
پھول کی سرسوں کا کھیت تختۂ زریں ہوا — ہاتھ پر اپنے بسنت سرسوں جمانے لگا
نکلے جوانانِ باغ سج کے بسنتی قبا — پھولی کہیں زعفران اور کہیں چمپا کھلا
کھِل کے گلِ اشرفی بسکہ زر افشاں ہوا — ہو گئے سارے نہال گویا کہ زر سے نہال

متسع (۱) گھٹا ہو رعد ہو بجلی ہو تاریکی ہو باراں ہو
ہوا ہو سردی ہو اور سبز دامانِ بیاباں ہو
پپیہا کوئل اور طاؤس مصروفِ خوش الحاں ہو
رنگیلا بنگلہ ہو کوئی اور صحنِ گلستاں ہو
بچھا ہو فرشِ روشن شمع ہو اور عود سوزاں ہو
کھنچا رنگیں مکلف اک چھپر کھٹ بھی پڑا اں ہو

گزک ہو جام ہو مینا ہو دورِ مے پرستاں ہو
اور اپنی بر میں وہ غارتگر دل آفت جاں ہو
تو پھر میں بھی کہوں اے ابر ہاں دن رات برسا کر

۲- بغل میں اپنی دلبر ہو اگر یوں ہو تو بہتر ہے
پیا پے دورِ ساغر ہو اگر یوں ہو تو بہتر ہے
ہمارا بخت یاور ہو اگر یوں ہو تو بہتر ہے
نہ کچھ خوف اور نہ کچھ ڈر ہو اگر یوں ہو تو بہتر ہے
کنار و بوس شب بھر ہو اگر یوں ہو تو بہتر ہے
مرادِ دل میسر ہو اگر یوں ہو تو بہتر ہے
ملاقات آج ہو پھر ہو اگر یوں ہو تو بہتر ہے
اگر یوں ہو تو بہتر ہے اگر یوں ہو تو بہتر ہے
یہ سب سامان تو میرے لیے یارب مہیا کر

(۱) مُعشّر

اگر میں جانتا دل دیکے دکھ پانا بھی ہوتا ہے
تڑپنا تلملانا گھٹنا گھبرانا بھی ہوتا ہے
لہو پینا جگر کا لختِ دل کھانا بھی ہوتا ہے
اُٹھانا ناز دیہ زدا اور غش پہ غش آنا بھی ہوتا ہے
کہانا باولا سودائی دیوانہ بھی ہوتا ہے
بنا حق دشمن جان اپنا بیگانہ بھی ہوتا ہے
مچانا شور رونا آہ بھر لانا بھی ہوتا ہے
سُلگنا جلنا پھکنا خاک ہو جانا بھی ہوتا ہے

پشیماں ہونا نادم ہونا پچھتانا بھی ہونا ہے
تو ہرگز دل نہ دیتا اور نہ ایسا خوار ہوتا میں

۲۔ نہ جان بر جس سے ہو کوئی وہ بیماری ہے اور میں ہوں
نہیں ہے چارہ گر اب سخت ناچاری ہے اور میں ہوں
دنوں بیتابی اور راتوں کو بیداری ہے اور میں ہوں
فغاں ہے آہ ہے فریاد ہے زاری ہے اور میں ہوں
گنہگاری ہے اور میں ہوں گرفتاری ہے اور میں ہوں
بڑی مشکل ہے اور میں سخت دشواری ہے اور میں ہوں
فغاں ہے گریہ ہے زاری ہے بیزاری ہے اور میں ہوں
عجب رسوائی ہے بدنامی ہے خواری ہے اور میں ہوں
کبھی ہے اشکباری گاہ خونباری ہے اور میں ہوں
نہ پوچھے ہے کوئی بیصبرا اور پھرتا ہوں روتا میں

رباعی مستزاد

میں نے کہا اس سے ہوں میں بیتاب۔ قرار
فرقت میں ہوں تیری اپنے جی سے بیزار۔ کر مجھ پر نگاہ
یہ سن کے وہ بگڑا اور اٹھا کے تلوار
کاٹا مرے تن سے سر کو کر کے اک وار۔ بیجرم و گناہ

شعر مستزاد

غیروں سے ہے الفت تجھے اور مجھ سے عداوت۔ اے شوخ خود آرا
۳۔ نفرت ہے تجھے مجھ سے رقیبوں سے محبت۔ ہے اسکا سبب کیا

رباعی مستزاد

بیصبر نہ مل اس سے تو پچتائے گا ۔ دیکھ اس کا جمال
دِل زلف میں الجھا کے نہ سلجھائے گا ۔ ہوگا یہ وَبال
جان بھی دیکر نہ جانے وہاں پائے گا ۔ ہے امر محال
دل لیکے نہ وہ خواب میں بھی آئے گا ۔ کیا ذکر خیال

متفرق

سرِ کٹانے سے تو قاتل مجھے انکار نہیں ۔ گر یہ ہے تیری رضا
سرِ سے اپنے سرِ مُو مجھ کو سروکار نہیں ۔ ابھی تلوار اٹھا
قتل بیصَیر میں ناحق کی یہ تاخیر ہے کیا ۔ طلب تیر ہے کیا
بس ہے ابرو ہی تری حاجتِ شمشیر ہے کیا ۔ کر اشارا تو ذرا

(ص۱۵) الترصع (مصرعوں میں کلمے کے برابر کلمہ لانا)

گیسو زنجیر ہے بلا کی　　ابرو شمشیر ہے قضا کی
معذور ہوئی زبان سخن سے　　معزور ہوئی توان بدن سے
سلطانِ جہاں گدا ہیں تیرے　　خوبان زمان فدا ہیں تیرے
جس قدر مجھ کو تجھ سے الفت ہے　　اس قدر تجھ کو مجھ سے نفرت ہے

تجنیس تمام

گلے میں ہے گریبان زری کانوں میں بالا ہے
یہ سچ ہے ماہ نو سے بدر کا رتبا دو بالا ہے
کیوں مہک جائے نہ پھر اُس شخص کا سارا بدن
جس کے برمن، ہو وہ رشکِ عنبر سارا بدن

تجنیس ناقص

دی صبوحی میں دَرَد ساقی نے   کہ فزوں میرے سر میں درد ہوا

---

(۱۷) تجنیس زائد

سودائے سر کو اپنے اگر بیچ دے حسود   وہ سود باقی رہتا ہے جس کو زیاں نہیں
وہ چشم تو انسان کو بیمار ہی ڈالے   یہ زلف وہ کافر ہے کہ بس مار ہی ڈالے

مثنوی

آجائے نظر وہاں کا گر سیب   سیمیں ذقنوں کو پہنچے آسیب
ہے وہ بخدا مکانِ خوباں   کیا کہیے مکان کانِ خوباں

قسم ثانی

ہوتا کہ نہ دلنشیں وہ قامت   مصرعہ ہو نہ موزوں تا قیامت
جس قدر ہیں کمر میں اس کی بل   اس کی زلفوں کے بال میں بھی ہیں

ابیات

دیکھوں قیامت آتی ہے کیا میری جان پر   پھر سینے میں نہیں میرے دل کو قیام آج
وعدہ جو شام کا ہے تو بیتابیوں سے ہم   شامت میں ہیں کہ دیکھئے کب ہوگی شام آج
وہ آندھی ہے جو اسمیں دیدہ و دانستہ آتی ہے   مگر صیاد کا جال آنکھ کو مچھلی کی جالا ہے

جو کمینہ ہے وہ کرتا ہے کمینہ پروری
کیوں نہ قدرِ غیر ہو گردوں ہی گردوں ہو گیا

خوں کے عوض اسکا خوں بہادو　　　مجھ بیوہ کو میرا خونبہا دو

(ص۱۷) ابیات

چشم رکھتے ہیں سدا اپنی یہ ہم چشموں سے
کہ نہ شرمندہ دم گریہ ہوں ہم چشموں سے
بگاڑی بات میری اور بنائی اس سے بات اپنی
رقیبوں کی بن آئی ہے خدا کی کیا خدائی ہے

تجنیس مکرر

ہیں اس پری کے حسن و نزاکت کی کان کان
دکھلاتا ہے نئے نئے بالا ہر آن آن
جھلکے ہے جان تن سے قبا سے برنگِ تن
تو اس کے تن کو جسمِ لطافت کی جان جان

تجنیس مطرف

تار ہے بے یار ہر قطرہ شراب ناب کا
خوار ہے ہر مست اس کی نرگس پُرخواب کا
دل ہمارا کیوں نہ اس محبوب کا محبوس ہو
ہے کمند ایک ایک تار اس گیسوئے پرتاب کا

تجنیس خط

بام پر برتری کے چڑھنے کو　　　رتبا افتادگی کا زینا ہے

(ص۱۸) رعایت فتحات

باراں ہے بہار ہے چمن ہے اے یار　　　لا جام شراب کا لبالب بھر کر

رعایت ضمات

خوبؔ کہہ تم مجھ کو دو جو ہو سو ہو　　　ہو سو ہو جو ہو سو ہو جو ہو سو ہو

رعایت کثرات

جتنی بن تیرے زندگی کی　　　اتنے دن میری زندگی تھی

الاشتقاق

کچھ نہیں رکھتے ہیں خواہش اور اگر رکھتے ہیں ہم
صرف اک نظارہ منظور نظر رکھتے ہیں ہم

اک منوّر منیر نور ہے تو　　　مظہر و ظاہر ظہور ہے تو

مقلوب بعض

تیغ و سپر باندھ کر آیا وہ افغان پسر　　　باندھی ہے اس نے مگر قتل پہ میرے کمر

مقلوب کل

وہ ہوا رخصت تو رونے کا بندھا اک تار رات
ہے یہ حسرت کر سکا اس سے نہ میں بیتاب بات

مغبچوں کی آج ہے محفل میں دورِ جامِ جم
مجھکو کیا یارا جو ماروں زہد و تقویٰ کا میں دم
مدعی تو ہو تو ہو بے صبر ہیں معذور ہم
مہ جبیں جب جام مے دے پھر کہاں ایماں کا غم

(ص ۱۹)

ماش پر پڑھتا ہوں افسوں اس کا لے لے کر میں نام
مان لے کہنا وہ میرا تا کہ اور ہو جاے رام

مارِ زلف اس کے کو کیلوں اور پکڑ لوں لا کلام
مالک اس طور اس کے گنجِ حسن کا ہوں صبح و شام

(ص۲۰) الرد العجز علی الصدر ابیات

جہاں میں بیٹھتا ہوں دیتا ہے وہاں سے اُٹھا
بس اب تو لے مجھے اللہ تو جہاں سے اُٹھا
جم اس در پر گئے جب ہم تو اپنی
نظر میں کچھ سکندر ہے نہ جم ہے
یقین جب قسم وعدہ پر ہمیں آوے
جو پہلے جھوٹی قسم کھانے کی قسم ہو جائے
ہنس پڑا وہ دیکھ کر میرے شکستِ رنگ کو
فتح پائی حسن نے اور عشق نے پائی شکست
لے اٹھا دستِ جفا سر سے مرے گردوں ارے
پھونک دیتی ہے زبردستوں کو آہِ زیر دست

مجکو سکتہ سا ہوگیا ہے کچھ   نہیں تجکو میں دیکھ سکتا دیکھ

آج خونوں پر چڑھا پھرتا ہے وہ افغاں پسر   کل جو سن پایا تھا میرے نالۂ افغان کو

(ص۲۱)

منتخب ہے بتان ہند میں وہ   چاہو پھر انتخاب کر دیکھو
مجمع الاحباب ہے تربت مری   رہتے ہیں آٹھوں پہر محبوب جمع
شان حق کیا تھی کہ ہمسے اس قدر یارا نہ تھا   اسکا وہ دستِ نگارین اپنا زیب شانہ تھا

مال و جاں کھو کے ہاتھ ملتا ہوں　　کہ میں الفت میں پائمال ہوا
بسکہ بیصیرِ شعار اپنا ہے فکر　　فکرِ اشعار کیا کرتے ہیں
گر نظر کرتے ہیں دو عالم میں　　کہیں پاتے ترا نظیر نہیں
عنقا کا نام تو ہے نہیں ہے اگر نشان　　نایاب وہ ہمیں ہیں کہ نام و نشاں نہیں
اس طالعِ خفتہ کو بھی جوں دیدۂ بیدار　　دیکھیں گے الٰہی کبھی بیدار ہوتے ہم

(ص۲۲)

جفا کی ترک تو نے کیا خطا کی　　جفا کی ہے ارے ظالم جفا کی
غضبناک باندھے وہ تیغ و سپر ہے　　سرِ قتلِ عشّاق سودائے سر ہے
اگرچہ بمشکل چھوٹے ہم قفس سے　　پر اک اور مشکل کہ بال اور نہ پر ہے
مزا ہے خواہشِ لب سے میں ہوں جو ہم معدوم　　کہ اسکی راہ دیارِ عدم لبوں پر ہے
سب منوّر تجھ سے ہیں تو ہے وہ نور　　ظاہر و باطن میں ہے تیرا ظہور
سینکڑوں جس شوخ خوباں کی جلو میں ہوں جمیل　　کیوں نہ پھر اسکی سواری یہ تجمل نکلے
شرافت کب ہے چرخ چنبریں میں　　کمینہ ہے جو رہتا ہے کمیں میں

(ص۲۳) رُباعی

چشم اسکی ہے سحر اور وہ کافر ساحر　　ساحر سے بجز سحر نہ ہو کچھ ظاہر
ظاہر ہے کہ اس نے کیا مجھ پر جادو　　جادو برحق کرنے والا ہے کافر

رُباعی

دم بھر بے گریہ ہے نہ چشم پر نم
نمناک نہ کیوں وہ ہو کہ غمناک ہیں ہم
ہم غم کے شفیق اور ہمارا ہے غم
غمخوار رفیق دوست مونس ہمدم

(ص ۲۴) غزل

میرا سر آج زیرِ خنجر ہے   کون دنیا میں میرا ہمسر ہے
میرا سر اس کی راہ کا ہے سنگ   آتے ٹھوکر ہے جاتے ٹھوکر ہے
دشت وحشت میں ہوں میں سرگرداں   پانوں میں میرے ایک چکر ہے
گر سرِ بیگنہ کُشی ہے تو آ   طشت ہے سر ہے اور خنجر ہے
ہمسری سرو گر کرے اس سے   اس کا دعویٰ غلط سراسر ہے
اشک و لختِ دل اور داغوں سے   گہر و لعل و زر میسّر ہے
سنگِ در پر ترے بوقتِ سجود   سرِ شاہ و گدا برابر ہے
خاک اُس کی گلی کی اے بیصبرؔ   سرورانِ جہاں کا افسر ہے

آج وہ لعبتِ چیں بجبیں   بے خطا مجھ سے ہوا کیا باعث

غزل

عشق نے تیرے کیا مجھ کو تباہ   تس پہ بھی تجھ کو نہیں مجھ پر نگاہ
زندگی آتی نہیں مجھ کو نظر   ضعف سے آنکھوں میں دم آیا ہے آہ
قتل پر باندھی ہے جو میرے کمر   کیا کیا میں نے بھلا تیرا گناہ
پھنس کے تو نکلا نہیں اس سے کوئی   جال ہے دل کا تری زلفِ سیاہ
جان سے آیا ہوں میں بیصبرؔ تنگ   موت بھی مجھ کو نہیں آتی ہے آہ

(ص ۲۵) غزل

پٹکا جو ہم نے سر تو زمیں ساری ہل گئی   توڑ آسماں کو آہ ہماری نکل گئی
راضی کریں شکاری کو جب تک ہائے ہم   افسوس فصلِ بادِ بہاری نکل گئی
بارے ہوا شگون تو اچھا کہ میاں سے   آتے ہی میرے آگے کٹاری اگل گئی

مرتا ہوں میں بن آئی اور آتی نہیں ہے وہ   قسمت کی کیا مری کہیں ماری اجل گئی
اچھا لگا یا دل کہیں بیصبر صاحب آہ   دو روز میں ہی شکل تمہاری بدل گئی

غزل

میں نے جو کہا آ بتِ مغرور ورے کو   تو ہنس کے وہ کہنے لگا چل دور ہٹے ہو
افسوس نہ اس رشکِ مسیحا کو ہے پروا   کیسا ہی کوئی عاشقِ رنجور مرے گو
میں بات خوشامد کی لگا کہنے تو بولا   تنگ اس سے میں ہوتا ہوں بہت زور کرے جو
(ص ۲۵) ساقی مجھے دے ایک تو اور مجھ سے تو لے ایک   تو نے جو یہ ہیں ساغرِ بلور بھرے دو
ہاتھ اپنے سے مے تجھ کو پلاتا ہے وہ بیصبر   لے جام شراب آج تو مسرور ایسے ہو

رباعی

اس آفت جان سے کر کے یاری ہم نے
حاصل نہ کیا جز آہ و زاری ہم نے
معلوم مصیبتیں نہ یہ عشق کی تھیں
دل دے کر کی یہ اپنی خواری ہم نے

(ص ۲۹)

رقعہ

عم صاحب عالی شوکت سراپا صولت مدظلہ، قامت طاعت سرشت کو خم کر کے ظاہرِ خاطرِ عاطر کے کرتا ہے سامی نامہ شریف ہاتھ سے مومن قاصد کے پایا سر پر چڑھایا موجب مزید حرمت کا جانا حق جل شانہ تم سے عزلی کو مجھ عاجز نالائق کے سر پر سایہ فرما کر لو۔

مربع

کون کاکل سے تری بے سروساماں نہ ہوا   حال کس کا تری زلفوں سے پریشاں نہ ہوا
مثل تصویر تجھے دیکھ کے حیراں نہ ہوا   چاک کس کا ترے ہاتھوں سے گریباں نہ ہوا

چشم وہ کور جو دیکھے ترے دیدار سوا   کان وہ کر ہوں سنے جو تری گفتار سوا
وہ زبان گنگ کرے جو ترے اذکار سوا   مردہ وہ دل ہو رکھے جو ترے اسرار سوا

(ص ۳۰)

غزل

دل فہم شد است و ہم نشیں ہم   جب سے ہوئے مبتلا کہیں ہم
از زندگی خودیم دل تنگ   چھٹ جائیں جو مر مٹیں کہیں ہم
فرہاد بمرد و رفت مجنوں   اب رہ گئے آہ اک ہمیں ہم
بینیم ترا ز دور و نزدیک   نزدیک ہیں اپنے دور ہیں ہم
تا کے جان باشد و لب ما   مرتے بھی تو ایکدن نہیں ہم
انیت گر آرزو ست بیصبر   دیکھیں اسے وقتِ واپسیں ہم

(ص ۳۱)

نقل

خواجہ اشرف ماژندرانی نے کہ اوستاد اور محو جمال زیب النساء بیگم مخفی تخلص بنت اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ کا تھا۔ بیگم کو ظرافت سے لکھا کہ سن بوسۂ بیسن میخواہم بیگم نے کہ زود باب اور حاضر جواب تھی جواب میں لکھ بھیجا کہ ۔ از مطبخِ مادر گیر

قطعہ

ہار کے موتی کو اس سینے پہ ہلتا دیکھ کر   ہو گیا بیصبر ایسا باولا سودائی مست
لاکھ سمجھایا نہ سمجھا ایک سچ ہے قولِ شیخ   تربیت نا اہل را چون گردگان بر گنبد است

قطعہ

کہا جو میں نے لبِ لال کیا بُرے تھے ترے   کئے مسی سے جو تو نے سیاہ باعثِ زیست
تو آپ کہنے لگے کیا سُنا نہیں بیصبر   کہ آبِ چشمۂ حیواں درون تاریکیست

قطعہ

جلوہ گر وہ تو ہے درون و برون   تجھ کو ہے جس کے دیکھنے کی چاہ
گر نہ بیند بروز شپر چشم   چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

قطعہ

پری آئی نظر اک سبزہ رنگ آج   کہ تجھی کا قربان ہوئے شکل امرد
کہا میں نے کہ اے کانِ ملاحت   ترے رخ پر ہو جب تک خط کی آمد
چھپا زیر نقاب اس کو خدارا   کہ شور انگیز عالم ہے ترا خد
کہا بیصبر خط کی رکھ نہ امید   زمینِ شور سنبل بر نیارد

(ص ۳۲)

قطعہ تاریخ وفات

جب گئے جنت کو ابراہیم ذوق   رہ گیا مشہوران کا نام نیک
۱۲۷۱
سال رحلت ان کا اے بیصبر کہہ   تھے ہزار و دو صد و ہفتاد ایک

(ص ۳۳) بیت

کر نہ پامال مجھ میں حال نہیں   چھوڑ یہ چال مجھ میں حال نہیں

قطعہ آشکارا اشارہ تھا اسے ورنہ رقیب   کب ملا سکتا تھا آنکھوں سے تمہاری آنکھیں
حاصل انکار سے کیا ہے نہیں ناداں ہم بھی   ہم نے بھی دیکھی ہیں آخر تو تمہاری آنکھیں

نقل

ایک دن نواب آصف الدولہ واسطے دیکھنے کوٹھی کے کہ نئی بنی تھی تشریف لے گئے تھے پیچھے سے ملک الشعرا مرزا رفیع السودا بھی وہاں پہنچے نواب نے فرمایا کہ مرزا ہم دیر سے یہاں آئے ہیں تم کہاں تھے بدیہہ کہا کہ غلام گردش میں تھا۔

(ص ۳۴) ابیات

نقاب سرخ سے لب کی مسی میں دانت یوں دمکے
شفق میں شام کے ہنگام بجلی جس طرح چمکے
روے تاباں بدر سا ابروے کج چون ہلال
زلف پیچاں مثل مار و چشم فتاں چوں غزال
ہونٹ شیریں جون شکر دندان روشن مثل دُر
تنگ غنچہ سان دہان نازک کمر گویا کہ بال
خبر مرنے کی میرے باغ میں جو دی سحر اس کو
تو ٹپکائے کئی نرگس نے قطرے گل پہ شبنم کے
اس کا قد سرو ہے پر سروِ خراماں ہو اگر
چشم نرگس ہے یہ نرگس کو ہو گر نورِ نظر
روزِ ہجراں برنگِ شب ہے سیاہ
(ص ۳۵) اور شبِ وصل مثل روز سفید

قطعہ

تو ہے مہر و مہ بلکہ ہے ان سے خوشتر   کہ وہ دو تو یکساں نہ قائم ہیں اصلا
وہ دن میں درخشاں وہ ہے شب کو تاباں   تو صبح و مسا روز و شب جلوہ فرما

قطعہ

کوئی آئے کوئی جائے کوئی غمگین کوئی شاد
جبکہ تو شمشیر خوں آشام کھینچے ہو خفا
جو کہ آئے وہ اجل ہو جائے وہ قالب سے جان
جو غمیں وہ بوالہوس جو شاد وہ عاشق ترا

چار چیزوں چار جا سے تیرے جاتی ہی گئیں   صبر دل سے رخ سے رنگ آنکھوں سے نور اور سر سے ہوش

(حصہ ۳۶) بیت

بدی تو کی فلک نے قیس اور فرہاد سے لیکن — جو کی بیصبر مجھ سے سو کسی سے بھی نہ کی ہو گی

قطعہ

ایکدن اس سے کہا میں نے کہ اے ظلم شعار — قتل کیوں کرتا ہے ہم کو نہ گنہگار ہیں ہم
تو بگڑ کر وہ لگا کہنے دیا تھا کیوں دل — تو نہیں جانتے تھا ہم کو کہ جفا کار ہیں ہم

(حصہ ۳۷) رباعی

رخ تیرا ہے یا کہ ماہ یا مہر منیر — یا زلف ہے یا کمند دل یا زنجیر
یا چشم ہے یا فسوں ہے یا آہوئے چین — یا ابرو ہے یا ہلال ہے یا شمشیر

رباعی

میں نے کہا اس سے ایکدن رشک حسن — کیوں کہتے ہیں باغ حسن تجھ کو ہمہ تن
دکھلا کے رخ و دہن زلف بدن — یہ گل ہے یہ غنچہ ہے یہ سنبل یہ سمن

بیت

اپنا دامن اشک و لخت دل سے پر رکھتے ہیں ہم
دیدۂ ترکی بدولت لعل و دُر رکھتے ہیں ہم

نبی آدم نہیں بے غم کہ ایام محرم ہیں — درآئی روح بے بیصبر خود قالب میں آدم کے

کہا میں نے سمجھ مجھے بندہ — لگے کہنے خدا تجھے سمجھے

نقل ہے کہ

زیب النساء بیگم مخفی تخلص نے نعمت خان کو حکم دیا کہ ایک جیغہ مرصع ہم کو درکار ہے خرید کر بھیجو، خان موصوف نے خرید کر بھیج دیا اور قیمت عرض رکھی جب چند روز گذرے اور بیگم نے قیمت نہ بھیجی

(۴۱) خان مسطور نے صنعتِ حسن الطلب میں یہ ابیات لکھ کر بھیجے بیگم بہت خوش ہوئی اور زر قیمت اور ہزار روپیہ صلہ کے نامبردہ کو عطا کیے ۔

رُباعی

اے بندگیت سعادت اخترِ من   در خدمتِ تو عیان شدہ جوہرِ من
گر جیغہ خریدنی است پس گوز راِ او   ورنیست خریدنی بزن بر سرِ من

واضح ہو کہ جیغہ نام ایک کپڑے پوشاکی کا ہے کہ اس کو سر پر باندھیں ۔

قطعہ صنعت توشیخ (یعنی شراب)

شدت سے آج سردی ہے اے مایۂ کرم   رکھتا ہوں آرزو کہ مجھے گرم کیجیے
ایک ایک لیجیے سرِ مصرع سے میرے حرف   باہم وہ جمع کیجیے اور مجھ کو دیجیے

" راقم نے شعر مرزا جلال اسیر کا اردو میں ترجمہ کیا ۔ بیت فارسی

بسکہ مے ترسم از جدائی ہا   مے گریزم ز آشنائی ہا

شعر ترجمہ اردو

بسکہ ڈرتا ہوں میں جُدائی سے   بھاگتا ہوں میں آشنائی سے

(۴۲) **ابیات**

رکھتے ہیں شب و روز زیادہ اور کم
ہم طالب وصل ہجر میں تیرے صنم
رنج و راحت غم و خوشی دشمن و دوست
بیداری و خواب اے ستم ایجاد کرم

غزل

تلوار بھی کمان بھی سنان بھی سپر بھی ہے
ٹیڑھی نگہ بھی برچھی سی ترچھی نظر بھی ہے
دل سے بدن سے اور لب و دندان سے تیرے پاس
آہن بھی سیم خام بھی لعل و گہر بھی ہے
گل رخ بنفشہ زلف سمن تن ہے سرو قد
کیا ہے بہار نام خدا آپ پر بھی ہے
پیکان و تیغ و تیر و سنان سے کسی کے ریش
پہلو بھی بر بھی سینہ بھی دل بھی جگر بھی ہے

معمّا (محراب)

خجل دریا کو جب اس کی گہر بخشی نے فرمایا
تو اس کو رحم الٹا آبروے بحر پر آیا
(رحم الٹو تو محر + آب)

معمّا (دلیپ)

بہر پامالِ عدو جب تو بہ تعجیل پھرے
پاؤں رکھ کر سرِ دشمن پہ ترا پیل پھرے
(سرِ دشمن + د + (پیل پھرے) لیپ)

نقل

"مولانا غزالی حج کو گیا تھا وہاں سے ہندوستان کو پھرتے وقت شہر جام میں وارد ہوا چاہا کہ مولوی جامی سے ملے سراپا گرد و غبار آلودہ جامی کے گھر پہنچا اور بے تکلف برابر مولوی کے مسند پر جا بیٹھا جامی نے بنظر استحقار دیکھ کر کہا کہ درسگ و توچہ تفاوت باشد بدیہہ کہا کہ یک وجب یعنی ایک بالشت گویا مولوی کو کتا ٹھہرایا جامی نے جانا کہ کوئی شاعر حاضر جواب ہے کہا کہ کیستی و از کجا میرسی کہا کہ شاعرم از مکہ میرسم و بہ ہند وطن مالوف خود خواہم رسید ۔ جامی نے کہا مگر غزالی ۔ باشی کہا کہ

بیلے یہ سن کر جامی اٹھا اور آغوش میں کھینچا اور عذر چاہا کہ در معما ہم دخلے داری کہا کہ آرے معما دو قسم است قولی و فعلی جامی نے کہا کہ قولی بسیار است و من مشتاق فعلی ام۔ غزالی سیدھا کھڑا ہو گیا اور پھر سر کو جھکایا اور ڈاڑھی کو جھاڑا جامی نے کہا کہ نام ادریس برآوردی؟ فقط مراد یہ ہے کہ جب سیدھا کھڑا ہوا تو صورت الف کی قائم ہوئی اور پھر سر جھکانے سے شکل دال مہملہ کی بنی اور ڈاڑھی کو ریش کہتے ہیں اس کے جھاڑنے سے نقطے شین کے گر گئے تو ریس بسین مہملہ رہ کر ادریس ہو گیا اور ادریس نام ایک نبی کا ہے۔"

پہیلی ڈھال

ایک عورت ہے کالی کالی — کان نہیں ہے پہنے بالی
ناک نہیں پر سونگھے پھول — جتنا عرض اتنا ہی طول

(ایہام)

خوب نکلی تیرے بیصبر کی صحرا میں ہوس — پانوئیں خار لگے ایسے کہ سر سے نکلے

رباعی

بیصبر ہوا یہ نسخۂ تازہ تمام — مقبول جناب کبریا ہو یہ مدام
اللہ اسے عطا کرے فیض انام — مشہور رہے ابد تک اس سے مرا نام

توقیتِ بےصبرؔ

۱۳- ۱۸۱۲ء	ولادت بمقام سکندر آباد (۱۸۶۹ بکری = ۱۴ر مارچ ۱۸۱۲ء تا یکم اپریل ۱۸۱۳ء)
۱۸۳۱ء	دو قطعہ ہائے تاریخ وفات شو لعل طبیب سکندر آبادی (۱۲۴۷ھ) ۱۸ سال کی عمر میں فکر کیے
۱۸۳۷ء	مثنوی لختِ جگر کی روایتِ اوّل (۱۲۵۳ھ) بعمر ۲۴ سال
ایضاً	لالہ ہرگوپال راتی کا غالبؔ کی شاگردی میں آنا اور غالبؔ کے کہنے پر تفتہؔ تخلص اختیار کرنا
۱۸۴۲ء	سب سے بڑے بیٹے ہر سروپ کی ولادت (قیاساً) بعمر ۲۹ سال
۱۸۴۴ء	دوسرے بیٹے کشن سروپ کی ولادت (۱۲۶۰ھ) بعمر ۳۱ سال
۱۸۴۸ء	تیسرے بیٹے برہما سروپ کی ولادت (۱۹۰۴ بکری) بعمر ۳۵ سال
۱۸۵۴ء	چوتھے بیٹے بینی سروپ کی ولادت (۱۲۷۰ھ) بعمر ۴۱ سال
۱۸۵۸ء	غالبؔ کی اصلاح بےصبرؔ کے دیوان پر (۱۲۷۴ھ) بعمر ۴۵ سال
۱۸۵۹ء	مثنوی لختِ جگر کی دوسری روایت جو ۱۲۷۵ھ میں غالبؔ

	کی نظر سے گزری ۔ بعمرِ ۴۶ سال
۱۸۵۹ء	تاریخِ مثنوی اخگرِ عشق (۱۲۷۵ھ) بعمرِ ۴۶ سال
۱۸۶۲ء	بڑے بیٹے ہرسروپ کی وفات تپ لرزہ سے (۱۲۷۹ھ) (ہرسروپ کی شادی ہو چکی تھی ۔ قیاس ہے کہ انتقال کے وقت ہرسروپ کی عمر بیس سال ہوگی)
۱۸۶۵ء	پوتے رام چندر سروپ کا سالِ ولادت (۱۲۸۱ھ)
۱۸۶۹ء	غالبؔ کی وفات
۱۸۷۰ء	سالِ تکمیلِ رسالہ بدیع البدایع (۱۹۲۶ بکرمی)
۱۸۷۱ء	سالِ طباعت مثنوی لختِ جگر ۔ بعمرِ ۵۸ سال
۱۸۷۳ء	سالِ وفات بینی سروپ تپِ دق سے (۱۲۹۰ھ)
۱۸۸۰ء	سالِ وفات مرزا ہرگوپال تفتہؔ (۱۲۹۶ھ)
۱۸۸۵ء	وفاتِ بعمرِ ۷۲ ۱۲ فروری بروز شیوراتری بمقام میرٹھ
۱۸۸۵ء	رسالہ بدیع البدایع کی اشاعت

”کُلّیاتِ بے صبر (قلمی)“

(کوائف)

یہ ضخیم مجموعۂ اشعار ۲۱۲ اوراق پر محیط ہے۔ پہلے ورق پر عربی اور اردو اعداد میں تفصیلات درج ہیں۔ ورق ۲ اور آخری ورق ۲۱۲ کا ایک ایک صفحہ خالی ہے۔ اِس طرح کلّیات کا متن ۲۱۰ اوراق (یعنی ۴۲۰ صفحات) پر پھیلا ہوا ہے۔ سب سے آخری ورق (صفحے) پر مُتفرّق اشعار ہیں۔ آخری پانچ شعر پڑھے نہیں گئے۔ اُن سے پہلے کے چار مصرعے یہ ہیں ؎

ہو گئی رخصت خزاں، آئی بہار
رُخصت اے زندانیاں! آئی بہار
پھر بسیرِ گلستاں، آئی بہار
مُژدہ اے دیوانگاں! آئی بہار

ورق ۳-۱۰۳ تک غزلیں ہیں۔

فتح مصر کا قصیدہ ۱۸۸۲ء کا کہا ہوا ہے۔ وہ اس میں شامل ہے۔ اِس سے ظاہر ہے کہ کلیات کی ترتیب ۱۸۸۲ء میں یا اس کے بعد ہی عمل میں آئی ہو گی۔

غزلوں کے بعد ورق ۱۰۳ سے ورق ۲۱۲ تک کلیات کے کوائف یہ ہیں

متفرقات ۔	ورق
ترجیع ترصیع بند عاشقانہ	۱۰۳
ترصیع بند تصوّف	۱۰۵
ترکیب بند قسم اوّل کا	۱۰۶
〃 〃 دوم	۱۰۸
ترکیب بند نوحہ بینی سروپ پسر خورد بے صبر ستم سیدہ	۱۰۹ (۷۷ شعر)
مخمّس بر غزل فارسی مرزا تفتہ	۱۱۱
〃 〃 〃 حافظ شیرازی	۱۱۲
〃 بہ زبان بھاکھا رام بان بر غزل امیر خسرو	۱۱۲
〃 بہ زبان اردو بر غزل فارسی تفتہ	۱۱۳
〃 〃 〃 بر غزل سعدی	۱۱۴
〃 بر غزل رند	۱۱۵
〃 〃 〃 حافظ (مزاحیہ)	۱۱۵
〃 〃 〃 فارسی تفتہ صاحب	۱۱۶
〃 〃 〃 مصحفی	۱۱۷
〃 〃 〃 بے صبر	۱۱۸
〃 در مناقب حضرت علی	۱۱۸
مسدّس در مناقب حضرت علی	۱۱۹
〃 〃 〃	۱۲۰
〃 بر غزل جرأت	۱۲۱
مثلث	۱۲۱

ورق

مربّع موسیم برسات، ۱۲۱
〃 زبان بھاکا برسات بطور چاربیت ۱۲۲
مسبّع عاشقانہ ۱۲۲
مثمّن دروصف بسنت ۱۲۳
متشّع عاشقانہ، برسات کا مستانہ ترانہ ۱۲۳
معشّر ۱۲۴
مستزاد ۱۲۴
دیوانِ رباعیات مسمّی بہ چار عنصر (۱۱۰ رباعیاں) ۱۲۵ تا ۱۳۱
قطعات (اس میں بہت سے تاریخی قطعات بھی ہیں) ۱۳۲ تا ۱۳۸

قصائد

۱۔ در تعریف ہندوستان مسمّی بہ نوبہار (۵۰ بیت) ۱۳۸
۲۔ زرفشاں (۸۲ بیت) ۱۳۹
۳۔ درمدح مہاراجہ بنارس ایسری نرائن سنگھ (۲۷ بیت) ۱۴۲
۴۔ درمدح مہاراجہ رنبیر سنگھ والیِ جمّوں و کشمیر (۹۵ بیت) ۱۴۳
۵۔ در تعریفِ شاہ درویش مسمّی سراپا ناز (۱۰۰ بیت) ۱۴۶
۶۔ صنعت معطّل یعنی بے نقط (۲۰ بیت) ۱۴۹
۷۔ نوکِ نشتر (۳۸ بیت) ۱۵۰
۸۔ دُرِ پرآب (۳۷ بیت) ۱۵۱
۹۔ نیرنگِ خیال (۵۴ بیت) ۱۵۲
۱۰۔ سُرورافزا (۹۰ بیت) ۱۵۳
۱۱۔ دلفریب تہنیّت عید (۱۱۶ بیت) ۱۵۶

قصائد (جاری)	ورق
۱۲۔ پرکالۂ آتش بمدح غالبؔ (۱۴ بیت)	۱۵۹
۱۳۔ سدرہ۔ توحید میں (۲۵ بیت)	۱۶۰
۱۴۔ سراکبر توحید میں (۶۰ بیت)	۱۶۱
۱۵۔ بوقلمون (۴۲ بیت)	۱۶۲
۱۶۔ رنگا رنگ (۵۶ بیت)	۱۶۳
۱۷۔ درمدح مرزا تفتہؔ صاحب (۵۳ بیت) صرف ۴۹ شعر۔ ۴ شعر صفحہ ۱۶۶ کے غائب ہیں	۱۶۵
۱۸۔ اعجاز سخن (کل ۱۱۴ شعر ہوں گے مگر صفحہ کم ہونے کی وجہ سے اب صرف ۴۷ باقی ہیں)	۱۶۶
۱۹۔ شورِ محشر (۵۵ بیت)	۱۶۹
۲۰۔ دمِ سرد تعریف زمستان (۵۳ بیت)	۱۷۰
۲۱۔ آوازِ غیب (۵۰ شعر)	۱۷۱
۲۲۔ دودِ دل۔ مدحِ غالبؔ (۵۲ شعر)	۱۷۳
۲۳۔ سرودِ مستان (۵۴ شعر)	۱۷۴
۲۴۔ شمشیرِ تیز (۴۴ شعر)	۱۷۵
۲۵۔ مردمِ دیدہ (۵۰ شعر)	۱۷۶
۲۶۔ آتش کدہ تعریف موسم تابستان (۶۰ شعر)	۱۷۷
۲۷۔ سودائے سر (۶۱ شعر)	۱۷۹
۲۸۔ نالۂ موزوں (۵۵ شعر)	۱۸۰
۲۹۔ نورٌ علیٰ نور (۴۱ شعر)	۱۸۱
۳۰۔ تیغِ برہنہ۔ مبارک بادِ فتح افغانستان بحضور لارڈ لٹن	

قصائد (جاری)	ورق
گورنر جنرل بہادر ۱۲ جون ۱۸۷۹ء ۔ ۱۰ جولائی ۱۸۷۹ء کو روانہ کیا۔ (۸۳ شعر)	۱۸۳
۳۱۔ خوش ترانہ۔ بنام منشی گورنری۔ ۲۴ جولائی ۱۸۷۹ء کو روانہ (۴۰ شعر)	۱۸۴
۳۲۔ عاشقانہ (۳۰ شعر)	۱۸۵
۳۳۔ دل پسند۔ ملکۂ معظمہ (۴۰ شعر)	۱۸۶
۳۴۔ شعلۂ آہ (۵۶ شعر)	۱۸۷
۳۵۔ عاشقانہ (۳۸ شعر)	۱۸۸
۳۶۔ قندِ مکرّر۔ تعریف حضرتِ غالبؔ و تفتہؔ صاحبین (۴۴ شعر)	۱۸۹
۳۷۔ خونچکاں (۵۵ شعر)	۱۹۰
۳۸۔ آبِ بقا (۴۱ شعر)	۱۹۱
۳۹۔ بدرالدجیٰ (۴۲ شعر)	۱۹۲
۴۰۔ عاشقانہ (۳۰ شعر)	۱۹۳
۴۱۔ دُرِّ بار۔ دربار ۱۵ نومبر ۱۸۸۰ء لارڈ رپن گورنر جنرل ہند (۴۱ شعر)	۱۹۴
۴۲۔ نوعروس۔ یہ تہنیّت شادی برخوردار سری راجندر سروپ (۴۳ شعر) (نبیرۂ بےصبرؔ) ۱۸۸۰ء (اپریل / مئی)	۱۹۵
۴۳۔ شمس الضحیٰ (۳۱ شعر)	۱۹۵
۴۴۔ مجمع البحرین (۵۴ شعر)	۱۹۶
۴۵۔ گنجینۂ معانی (۴۸ شعر)	۱۹۷
۴۶۔ برزِ سحر نما (۴۸ شعر)	۱۹۸

قصائد (جاری) ورق
۴۷ ۔ دُرّ التاج ۔ ملکۂ معظمہ (۳۳ شعر) ۲۰۰
۴۸ ۔ جہانجو (۳۷ شعر) ۲۰۰
۴۹ ۔ عزیزِ مصر ۔ فتح مصر پر ۔ لارڈ رپن گورنر جنرل تھے ۔ ۲ جنوری ۱۸۸۲ء (۷۰ شعر) ۲۰۱

مثنویات متفرق

حکایت مجنوں ۲۰۳
" مفلس ۲۰۳
" شیر بچہ ۲۰۴
" منصور حلاج ۲۰۵
" پیر و مرید ۲۰۵
مثنوی ۔ بیچ خدمت سرشتہ پرمٹ کے ۲۰۶
حکایت پیر و مرید ۲۰۹
افراد (متفرق اشعار) ۲۱۱

انتخابِ غزلیاتِ

بے صبر

جب کہ بسم اللہ وصفِ عارضِ جاناں ہوا — مطلعِ خورشید اپنا مطلعِ دیواں ہوا
کرتے کرتے خود پرستی ہو گیا میں حق پرست — کفر حد سے جب کہ گزرا بس وہی ایماں ہوا

پانی میں ڈالا مرے دستِ جنوں نے کر کے خاک۔　　کل تلک جو تھا گریباں آج وہ داماں ہوا
تنگ ہوں میں اپنی وحشت سے کہ صحبت سے مرے　　تنگ یاں تک آ گیا صحرا کہ خود زنداں ہوا
شعر سن کر جس کو دیوانہ کہا کرتے تھے آپ
اب وہی بے صبر دیکھو صاحبِ دیواں ہوا

لے کے تیغِ کیں وارد جب وہ تند خو ہوگا　　کون ہے سوا میرے جو کہ روبرو ہوگا
حرص سے تہی تھا دل جبکہ آیا عشق اُس میں　　خالی از ہوا ہوگا جب کہ پُر سبو ہوگا
ہووے گا کوئی بے صبر آج قتل واں بے شک
تُو نہ ہوگا میں ہوں گا، میں نہ ہوں گا تو ہوگا

عیاں جب اپنا فروغِ جمال تو نے کیا　　تمام کر دیا مہ کو کمال تو نے کیا
بنایا سروِ چراغاں بفرطِ داغ اے عشق　　بس اب تو مجھ کو سراپا نہال تو نے کیا
سوا خوشی سے میں تیرے سبب تصورِ یار　　شبِ فراق کو روزِ وصال تو نے کیا
قدم کو ہاتھ لگاتا تھا بہرِ عفوِ گناہ
کچھ اور دل میں عبث احتمال تو نے کیا

جسمِ لاغر جب نہ دیکھا طائرِ ناشاد کا
دیکھ کر پنجرے کو طوطی اُڑ گیا صیّاد کا
حاصل اس کے انتہاے ذکر کا ہے خامشی
خود فراموشی نتیجہ ہے کمالِ یاد کا
بے مزہ کیوں ہو کلام اپنا کہ ہوں بے صبر میں
ریزہ چینِ خوانِ نعمت ذوق سے استاد کا

اس قدر دل میں رات درد ہوا   کہ سحر ہوتے ہوتے سرد ہوا
آتے ہی آمدِ خزاں کی خبر   رنگِ رُوئے بہار زرد ہوا
مجھ کو وحشت کا جب خیال بندھا   گھر میں بیٹھے جہاں نورد ہوا
دی صبوحی میں دُرد ساقی نے   کہ فزوں میرے سر میں درد ہوا

* * *

نہ گیا مر کے بھی نظروں میں سمانا اپنا
گور نے مردمِ دیدہ سے مجھے جانا اپنا
ایسے سوویں گے شبِ ہجر کے جاگے اک روز
ہوگا محشر میں بھی دشوار جگانا اپنا
مل کے دل اُس سے ملا ہم سے نہ پھر وائے نصیب
نکلا بیگانہ وہ ہم نے جسے جانا اپنا
دن کہیں رات کہیں صبح کہیں شام کہیں
ہو تو بتلائیں کہیں ٹھور ٹھکانا اپنا
تیرا احسان نہ بھولوں گا کبھو شوقِ جفا
کام تھا تیرا ہی یاد اُس کو دلانا اپنا

* * *

کعبے کا شیخ ہوں نہ برہمن کنشت کا   ساجد نہیں ہوں میں بخدا سنگ و خشت کا
اہلِ رضا کو فہم نہیں خوب و زشت کا   تارک جحیم کا ہوں نہ طالب بہشت کا

زباں پہ کس لبِ شیریں کا ذکر یہ آیا   مزا جہان کی چیزوں کا جو زباں سے اُٹھا
نقاب اس نے اُٹھایا تو میں ہوا بے خود   دُوئی کا پردا تھا گویا جو درمیاں سے اُٹھا
جہاں ہو زیر و زبر کیوں نہ ایسے ظلموں سے   گرا آیا تیغ سے سر اور لیا سناں سے اُٹھا
بیاں میں نہیں آتا ہے کچھ میاں بے صبر   جو کچھ کہ لطفِ سخن آپ کے بیاں سے اُٹھا

کون سا آپ کا کہا نہ کیا   وہ تو فرہاد و ہم نے کیا نہ کیا
کب ترے در پہ خوں بہا نہ کیا   تو نے پر خوف خوں بہا نہ کیا
تو نے سمجھا مجھے برابرِ غیر   سب برابر ہوا کیا نہ کیا
میں نے پایا نہ اختیار اس پر   جب تلک ترکِ مدعا نہ کیا

عہد اپنے میں کیا کوہکن و قیس کا ہے ذکر
طے ہو گیا قصہ ہی عرب اور عجم کا
اے دل سخنِ راز کو لانا نہ زباں پر
سر حرف زدن میں یہاں کٹتا ہے قلم کا
جوں شمع زباں سوختۂ آتشِ تسلیم
شاکی نہ ستم کا ہے نہ شاکر ہے کرم کا
آنکھوں نے مری فرش تری راہ میں رہ کر
سب نقشہ اُڑایا ہے ترے نقشِ قدم کا

نے رہا ہَے نے گریباں نے جنوں باقی رہا
پر گریباں کا مری گردن پہ خوں باقی رہا
ہاتھ میرا اور ترا دامان ہو گا روزِ حشر
پیرہن میں تار گر دستِ جنوں باقی رہا
نزع میں کیا دیکھتا ہے غور سے اے بدگماں
اب نہ کچھ مجھ میں بجز حالِ زبوں باقی رہا
خفتگانِ خاک پر بے صبر آفت لائے گا
بعدِ مردن بھی اگر دردِ دروں باقی رہا

بہار آئے عنادِل نے مل خروش کیا
بدن میں خوں نے صراحی میں مَے نے جوش کیا
زہے زہے میرے ایمان و دیں کہ میں نے انہیں
فدائے فرقِ خُم و پائے مَے فروش کیا
نقاب مُنہ سے اُٹھا کر یہ کس نے دی آواز
کہ دفعتاً ہمہ تن مجھ کو چشم و گوش کیا
نکل گیا تھا لہو میرے تن کا رونے میں
رہا تھا جو کوئی قطرہ سو غم نے نوش کیا
کلام کیوں نہ ہو بے صبر میرا مستانہ
کہ جام ہے خُمِ حافظ سے میں نے نوش کیا

جو شدّت سے دل میں قلق ہو گیا   مرے چہرے کا رنگ فق ہو گیا
جو اُس شمع رو کو لکھا سوزِ دل   تو پروانہ خط کا ورق ہو گیا
ذرا میں جو تڑپا تو زیر و زبر   زمیں آسماں کا طبق ہو گیا
اُڑا رنگ میرا جو شامِ فراق   وہی آسماں پر شفق ہو گیا
ہُوا اس قدر خانۂ دل خراب   کہ اِک وادیِ لق و دق ہو گیا

نہ کعبے میں نہ بُت خانے میں دیکھا   سماں جو دل کے کاشانے میں دیکھا
ہمیں وحدت سے کثرت میں یہ جانا   جو جا کر آئنہ خانے میں دیکھا
جو جلوہ دشتِ دل کے ذرے میں ہے   نہ معمورے نہ ویرانے میں دیکھا
کرے وہ گل اسے یا اُس کو وہ خاک   یہ کینہ شمع پروانے میں دیکھا

تیر الیتا کیا تھا میں باغباں نہ ہی آہ کرتا تھا نے فغاں
ہو خراب تیرا بھی خانماں میرے آشیاں کو جلا دیا
مجھے اپنے در پہ وہ دیکھ کر لگا کہنے ہاتھ پہ ہاتھ دھر
کہ خدا ہی جانے ہمارا گھر اُسے کس نے آج بتا دیا
وہ نہ آیا جبکہ دمِ پسیں تو اک آہ ایسی بھری وہیں
کہ وہاں کے جتنے تھے حاضرین، بخدا سبھوں کو رُلا دیا
غزل اور دوسری بھی کہوں نہیں مجھ کو صبر جو چپ رہوں
یہی نام مرا ہے کیا کروں یہی نام میں نے بتا دیا

خواب میں بھی نہ یہ خیال ہوا   کہ مرا یار سے وصال ہوا
ضعف سے اب یہ اپنا حال ہوا   کہ بیاں ضعف کا محال ہوا
میکشی کو حرام کہتا ہے   خونِ زاہد ہمیں حلال ہوا
ہوں میں پامال مثلِ تازہ نہال   ہو کے پیدا میں کیا نہال ہوا
پاؤں پکڑا تھا بہرِ عذرِ گناہ   اُس کو کچھ اور احتمال ہوا

مانگ پیشانی سے چوٹی تک نکالی اُس نے جب
شرق سے تا غرب رستہ ایک سیدھا ہو گیا
ایک دو ہی اشک ٹپکے تھے کہ مارے شرم کے
پانی پانی سامنے آنکھوں کے دریا ہو گیا
بات بھی منہ سے نہیں نکلی کہ سارے شہر میں
شہر سے میرے نکلوانے کا شہرا ہو گیا

تابِ نظارہ نہیں آنکھوں کو اس کے روبرو
نور بھی اُس مہر وش کا اُس کا پردا ہو گیا

اُس کوچے میں جائیں گے نہ ہم ہم سے نہ ہوگا
کیا کھائیں قسم پاسِ قسم ہم سے نہ ہوگا
شکوہ ترا زنہار رقم ہم سے نہ ہوگا
گر ہاتھ بھی ہو جائیں قلم ہم سے نہ ہوگا
تہمت ہمیں شکوہ کی لگا کر نہ ستم گر
ہرگز گلۂ ظلم و ستم ہم سے نہ ہوگا

تجھ کو جب ہم سے کام ہوویگا   کام اپنا تمام ہوویگا
عازمِ کشورِ عدم ہے جان   آج لب پر مقام ہوویگا
فال لیں ہم کلامِ حافظؔ سے   کہ وہ کب ہم کلام ہوویگا
بعد اپنے دل اپنا ہوں بے صبر   اپنا قائم مقام ہوویگا

اِک نظر کا سوال ہے نہ سہی   کبھو ہم سے بھی کام ہوویگا
کام میرا تمام کر کہ مرا   کام اور تیرا نام ہوویگا
ماہ کو اوج بیچ سوجھے گی   جب وہ بالائے بام ہوویگا

جو چاہو سو کوئی ہم سے کہو ہوا سو ہوا
دل اب تو دے چکے جو ہو سو ہو ہوا سو ہوا

دعا جو دی تو خطا کی یہ مَیں نے آپ مجھے
بُرا بھلا کہو دشنام دو، ہُوا سو ہُوا
وہ ذکرِ قتل سے اب میرے ڈر کے کہتا ہے
خدا کے واسطے چپ ہو رہو ہُوا سو ہُوا
تو ہنس پڑے تھا جو کہتا تھا میں تو روئے گا
دل اب تو چاہے ہنس اور چاہے رو ہُوا سو ہُوا

گر گزر نالے کا دل سے لب تلک ہو جائے گا
ارض جائے گی اُلٹ اور شق فلک ہو جائے گا
شورِ مرہم نے مرے زخموں میں ڈالا سچ ہی تھا
جائے گا کانِ نمک میں جو نمک ہو جائے گا
لے چلو میرا جنازہ کوئے خوباں کی نہ راہ
ہے یقین اُس بدگماں کو اور شک ہو جائے گا

جُدا ہر فرقہ ہوگا حشر کے دن تیرے یاروں کا
پریشانوں کا حیرانوں کا، بیزاروں کا زاروں کا
اُٹھا اے جوشِ وحشت پاؤں تو بھی چل بیاباں کو
کہ مرے طور ان روزوں میں کچھ اٹکا ہے خاروں کا
جو پوچھا مسکنِ بے صبر تو رو کر لگا کہنے
کہ شہرِ عشق میں ہے اک محلہ دل فگاروں کا

اشک یوں اپنی چشمِ تر سے گرا   طفل جوں باپ کی نظر سے گرا
سو جگہ میں ضعیف تا درِ یار   جاتے جاتے کل اپنے گھر سے گرا
دیا جب بزم سے مجھے اُٹھوا   کھا کے ٹھوکر میں سنگِ در سے گرا

تجھ سا نہیں جہاں میں خونریز دوسرا   پیدا ہوا کہاں سے تو چنگیز دوسرا
سینے میں میرے ہے جو دلِ داغ دارِ عشق   یہ شمس دوسرا ہے یہ تبریز دوسرا
غالبؔ کو کیوں ظہوریِ ثانی نہ جانیے   دلّی کو کیوں سمجھیے نہ ترشیز دوسرا
تیرا لب اور میرا لبِ جام اور ہے   ہے ایک پُرشکر، نمک آمیز دوسرا

خواب سا ہو گیا وہ شام سے آ کر سونا   لب سے لب سینے سے سینے کو ملا کر سونا
ہاتھ دے مارتے ہیں آتا ہے جب یاد اس کا   سر تلے ہاتھ ہمارے کو دبا کر سونا
گر خدا دیوے تو مے پینا ہے دنیا کا مزا   اور کسی پیارے کو چھاتی سے لگا کر سونا
اپنا وہ سونا اور اس کا وہ جگا کر کہنا   کہ لگے ہے مجھے ڈر مجھ کو سُلا کر سونا

وہ چھپ کر ہمیں دیکھ جانے لگا   یہ دیوانہ پن کام آنے لگا
لہو بدلے آنسو کے آنے لگا   ترا گریہ اب رنگ لانے لگا

ذرا منہ سے کچھ مہ جبیں بولتا   نہ کوئی کہے بُت نہیں بولتا
خموشی پہ ہم اپنی کرتے نہ ناز   اگر ہم سے وہ نازنیں بولتا
جو کہتا ہوں میں مجھ سے منہ سے تو بول   تو کہتا ہے وہ میں نہیں بولتا
نہ جاتا میں شہرِ خموشاں میں گر   وہ مجھ سے دمِ واپسیں بولتا
دہن حق گر اُس بُت کو دیتا تو صاف   انا الحق وہ آشوبِ دیں بولتا

نظر اک دن وہ گر نہیں آتا　　ہم کو کچھ بھی نظر نہیں آتا
کیا ملا شہرِ یار میں کہ وہاں　　جا کے پھر نامہ بر نہیں آتا
کدھر اس کا گیا ہے دل یارو　　کہ وہ اکثر ادھر نہیں آتا
حالِ بے صبر سن کے ہنستا ہے
باور اس کو مگر نہیں آتا

کوئی نہ تیرے ہاتھ سے چرخِ کہن بچا　　نے کوہکن نہ قیس نہ نل نے رتن بچا
ایک ایسی آہ ہم نے بسا زمرگ کی کہ آہ　　نے ہم بچے کفن میں نہ ہم پر کفن بچا

روز آتا ہے شب نہیں آتا　　جب بُلاتا ہوں تب نہیں آتا
دم بدم کب تو اُٹھ نہیں چلتا　　غش پہ غش مجھ کو کب نہیں آتا
کون سی رات بزمِ رنداں میں　　ذکرِ بنت العنب نہیں آتا
جب کہا میں نے آئیے تو کہا　　کہ پھر آؤں گا اب نہیں آتا

دل میں غبار ابر کے ہے مجھ سے اب تلک
ہرگز نہ میری خاک پر آ کر برس گیا
تھا اک پہر میں آنے کا وعدہ سو یاں گزر
اک دن گیا مہینا گیا اور برس گیا
قلقل کے پیچھے جام ہزاروں رواں ہوئے
اک قافلہ بطرفِ صدائے جرس گیا

خنجرِ جاں بخش سے عاشق ہو کیونکر جاں بحق
اس کو استحقاقِ عمرِ جاودانی ہو گیا
جیتے جی آرام جاں پر اپنے ہم مرتے رہے
خوب حاصل ہم کو لطفِ زندگانی ہو گیا

گر دوست بھی سو جفا کرے گا   دشمن بے چارہ کیا کرے گا
جب بندِ قبا وہ وا کرے گا   گل چاک اپنی قبا کرے گا
کر کے کوئی چاہ کیا کرے گا   فریاد و فغاں کیا کرے گا
داغ اپنا چراغِ خانۂ دل   تا صبحِ ابد جلا کرے گا
جز بے کسی اپنا اور ہے کون   جو دعویِ خوں بہا کرے گا
سرگشتگی کی نہ راہ ہو طے   جب تک کہ نہ سر کو پا کرے گا
جب کٹ کے گرے گا اس کے پا پر   سر سجدۂ شکر ادا کرے گا
جب عمر ہی بے وفا ہے صبر
پھر کون بھلا وفا کرے گا

جو لب تک آ کے نہ نالہ پلٹ گیا ہوتا
تو کل یہ تختے کا تختہ الٹ گیا ہوتا
تپاں تمھارات یہ دل تو اگر نہ آ جاتا
تمام فرشِ زمیں کا سمٹ گیا ہوتا
شب ایسے درد سے رویا میں وقتِ رخصتِ یار
کہ سینہ صبح کی لو کا بھی پھٹ گیا ہوتا

جب کہا میں نے تو ہے اے بُت رِعنا کیا خوب
تو وہ طنّاز عجب طنز سے بولا کیا خوب
دھوتے ہیں اشک سے دِیوان کو اپنے کر یادِ
مجھ سے پڑھوا کے غزل اس کا وہ کہنا کیا خوب

وہ کہتا ہے کہ غزل کہتا ہے فلانی خوب
ادا ہے خوب زبان خوب اور معانی خوب
کہا تھا ایک دن احوال اُس سے تِس پر وہ
کہے ہے سب سے کہ کہتے ہیں یہ کہانی خوب
نہ آنے پائے عدو گر میں اُس کا ہوں دربان
کہ چور چور کی کرتا ہے پاسبانی خوب

گلشن میں تھی خزاں تھے ہمیں خار و خس نصیب
جب آئی فصلِ گل تو ہوا اب قفس نصیب
تھک کر ہیں دور اَب تو پڑے کارواں سے ہم
پھر دیکھیے کہ کب ہو صدائے جرس نصیب
گلشن میں ہم صغیر تو ہوں نغمہ سنج حیف
بے صبر یوں تڑپتے رہیں ہم قفس نصیب

کعبۂ دل میں رونما ہیں آپ — بخدا بُت نہیں خدا ہیں آپ
نہ خفا مجھ سے ہو تو ہے یہ عرض — کہ بھلا مجھ سے کیوں خفا ہیں آپ

مانگتے ہیں خدا سے آپ کو سب
میری دانست میں دعا ہیں آپ
کس مسیحا کے دردِ الفت میں
میاں بے صبر مبتلا ہیں آپ

کوے جاناں سے پڑے اُڑ اُڑ کے کوے غیر میں
خاک ہو کر ہی رہے ہم گہہ بلند و گاہ پست
ہنس پڑا وہ دیکھ کر میرے شکستِ رنگ کو
فتح پائی حسن نے اور عشق نے کھائی شکست

سرو و قمری بلبل و گل ہیں وہاں دو دو ہم ایک
رشک سے آتا ہے جی میں ڈالیے گلزار کاٹ
اختیاری ہی نہیں مرگ و وصال اے دل تو خیر
جس طرح دن زندگی کے کٹ سکیں ناچار کاٹ
گر تری محفل میں لاؤں میں زباں پر حالِ دل
شمع ساں میری زباں کو تو دمِ گفتار کاٹ

تو خفا مجھ سے ہوا کیا باعث
جرم کیا مجھ سے ہوا کیا باعث
کس لیے دشمنِ جاں ہے تو گناہ
کونسا مجھ سے ہوا کیا باعث
کیوں دل آزار ہے تو کوئی قصور
دل سے یا مجھ سے ہوا کیا باعث
بس میں اُس بت کے جو ڈالا ہے گناہ
کیا خدا مجھ سے ہوا کیا باعث
کیا جہت کیا ہے سبب، کیا موجب
تو جدا مجھ سے ہوا کیا باعث
آج وہ لعبتِ چیں، چیں بجبیں
بے خطا مجھ سے ہوا کیا باعث
رات بے صبر وہ برہم، ناحق
ناروا مجھ سے ہوا کیا باعث

سنتے ہیں اس کے کوچے میں ہے قتلِ عام آج
گر سچ ہے یہ تو کام ہے اپنا تمام آج
مڑ کر ادھر کو دیکھو مَیں قربان جاؤں ہائے
نامِ خدا ہے تجھ پہ عجب دھوم دھام آج
آئے نہ تم جو شام سے لے تا بہ صبح کل
رویا کیا میں صبح سے لے تا بشام آج
دیکھیں قیامت آئے ہے کیا اپنی جان پر
سینے میں پھر نہیں مرے دل کو قیام آج
گھبرایا اس قدر کہ نکل کر چلا ہی تھا
مشکل سے میں نے دل کو رکھا تھام تھام آج
وعدہ جو شام کا ہے تو بے تابیوں سے ہم
شامت میں ہیں کہ دیکھیے کب ہوگی شام آج
بے صبر حال اپنا جو دیکھا کمال تنگ
رونے لگے مسیح علیہ السلام آج

ہوا وارد یکایک وہ صنم صبح   میرا گھر ہو گیا رشکِ ارم صبح
نہ آیا کھا کر آنے کی قسم صبح   عزیزو دے گیا وہ ہم کو دم صبح
یہی سوزِ دروں شب بھر رہا گر   تو پھر ہوں گے نہ مثلِ شمع ہم صبح
نہ دیکھا شام تک آج اُس کو بے صبر
اُٹھے تھے دیکھ کر منہ کس کا ہم صبح

دل کو یا آباد یا تاراج کر
جو تجھے کرنا ہو کل سو آج کر
شیخ گر چاہے ہے تو خلدِ بریں
پیروی صاحبِ معراج کر
گر کیا بھی عشقِ محمود اختیار
ترکِ دل سے اُنسِ تخت و تاج کر

پوچھتا ہے رات آئے تھے یہاں تم یا کہ غیر
بل بے عیّاری نہ تھا پاس اُس کے شب کو یا کہ غیر
ہم سے کیوں رُکتے ہو محفل میں بھلا کرتے ہیں ہم
کچھ اشارہ کچھ سخن کچھ رمز کچھ ایما کہ غیر
عاشقِ صادق ہوں میں یا غیر جب پوچھا تو کیا
چھیڑنے کو میرے ہنس کر اُس نے فرمایا کہ غیر

یا ستم کر یا کرم چاہے سو کر
چاہتے ہیں تجھ کو ہم چاہے سو کر
مار چاہے چھوڑ مجھ کو جیتے جی
میں نہ چھوڑوں گا قدم چاہے سو کر
بزم میں محروم مت رکھ دے مجھے
جامِ مے یا جامِ سم چاہے سو کر
کفر یا اسلام کچھ کر اختیار
ایک ہے دیر و حرم چاہے سو کر
مار کھاؤں گا پر آنے کی یہاں
میں نہ کھاؤں گا قسم چاہے سو کر
اب تو میں شکوہ کروں گا ہو سو ہو
ناک میں آیا ہے دم چاہے سو کر
اِک غزل تو اور بھی بے صبر تُو
اس زمیں میں کر رقم چاہے سو کر

ہو گیا شکوہ رقم چاہے سو کر
چل گیا اب تو قلم چاہے سو کر
یا جیوں میں یا مروں چاہے سو ہو
رحم یا قہر اے صنم چاہے سو کر

دل سے دل سینے سے سینہ لب سے لب   مل گئے اب تو بہم چاہے سو کر
مول تو ہے سو دلوں کا اک نظر   اس میں بھی تو بیش و کم چاہے سو کر
ہوں فدا چاہے ہنسا چاہے رُلا   جب تلک ہے دم میں دم چاہے سو کر
چاہے کہہ دشنام چاہے کہہ سلام   کر جوابِ خط رقم چاہے سو کر
صاف اے بے صبرؔ کہہ دے اُس سے آج
ہاں ترے عاشق ہیں ہم چاہے سو کر

ہو مبارک تجھ کو اے رشکِ چمن پھولوں کا ہار
میرے پھولوں تک خدارا مت پہن پھولوں کا ہار
کیوں نہ گُل کھائیں، پہن کر یاں سے نکلا ہے ابھی
اک بتِ بے درد قومِ برہمن پھولوں کا ہار
مجھ کو جینے دے کوئی دن مت پہن بہرِ خدا
اے بلائے دیں و آشوبِ زمن پھولوں کا ہار
رکھ دیے بے صبرؔ سب مضموں یہ تو نے تاکہ پھر
باندھنے پاویں نہ اربابِ سخن پھولوں کا ہار

دل میں ہیں زخم بے شمار ایک نہ دو نہ تین چار
سو کہوں یا کہوں ہزار ایک نہ دو نہ تین چار
اے دل اب اس کے در پہ تو پہنچے گا کب مراد کو
کتنے ہیں واں امیدوار ایک نہ دو نہ تین چار
نام غزل میں کیا لکھیں نام سے اپنے اس کو ہے
ننگ ہزار لاکھوں عار ایک نہ دو نہ تین چار

ہے جہاں میں صورتِ اہلِ زمانہ ہر دم اَور
خانۂ آئینہ میں ہے اہلِ خانہ ہر دم اَور
گہہ حنا گہہ غسل ہے گہہ خواب گہہ کیفِ شراب
ہے وفائے وعدہ میں اس کو بہانہ ہر دم اَور
گہہ جگر گہہ دل ہے گہہ سینہ ہے گہہ پہلو غرض
ناوکِ قاتل کو میرے ہے نشانہ ہر دم اَور
اس غزل کو پھر پڑھو بے صبرؔ صاحب ایک بار
لطف دیتا ہے کلامِ عاشقانہ ہر دم اَور

بتِ بیدادگر! خدا سے ڈر   نہ ستم مجھ پہ کر خدا سے ڈر
مجھ سے اے بندۂ خدا گر تو   نہیں ڈرتا نہ ڈر خدا سے ڈر
بارِ اوّل نہیں ڈرا گر تو   بارے بارِ دگر خدا سے ڈر
تیرے ظلموں کو دیکھتا ہے خدا   دیکھ اُٹھا کر نظر خدا سے ڈر

حال سن کر کہا کہ جھوٹ نہ بول   قصہ کر مختصر خدا سے ڈر
کر نہ دل کو خراب خانہ خراب   ہے خدا کا یہ گھر خدا سے ڈر

گذرے ہے رنج و غم میں اب تو روز   عید ہر دم ہے ہر پہر نوروز
گو ہیں ظاہر میں عشق سے تائب   لیک باطن میں ہے تگ و دو روز
چشمِ دُزدیدہ یاد رکھیو کہ ہے   شاہ کا ایک چور کا سو روز
ہنس نہ داغِ کہن پہ زخمِ تر   کہنہ شو روز ہے نیا نو روز
خواب میں مجھ کو دیتے ہیں اصلاح   روحِ پاکِ امیر خسروؔ روز

گر رہے جیتے تو دیکھیں گے بہارِ اگلے برس
باغ ہے اور ہم صفیر اب ہم ہیں اور کنجِ قفس
پیار سے مجھ کو بلایا میں چلا اُٹھ کر تو پھر
سامنے سب کے خجل مجھ کو کیا کہہ کر کہ بس

کرے محفل میں گر وہ مہ لقا رقص
تو ہر ٹھوکر پہ ہو قربانِ پا رقص
جلائے لاکھ ہر ٹھوکر میں مُردے
جب اُس رشکِ مسیحا نے کیا رقص
نہ دیکھا ناچ ایسا نَے سنا راگ
نیا ہی اس کا نغمہ ہے نیا رقص

میں دیکھوں ناچ کب حوروں کا بے صبر
کہ دیکھا میں نے بیگم جان کا رقص

مجمع الاحباب ہے تربت مری
رہتے ہیں آٹھوں پہر محبوب جمع
اُس زمیں پر آسماں کو رشک آئے
جس جگہ ہوں طالب و مطلوب جمع
قیسؒ وامق حضرتِ فرہادؒ، ہم
دشتِ وحشت میں ہیں سب مجذوب جمع

پُرخوف راہ، قافلہ دور اور تھکے ہیں ہم
پہنچیں گے کس طریق سے اب کارواں تلک
گذری بہار اور رہے بے صبر ہم اسیر
صیّاد لے گیا نہ قفس گلستاں تلک

مجھ منتظر کو راہ دکھائے گا کب تلک
قاصد تو بھیج بتا کہ وہ آئے گا کب تلک
جانے لہو پئے گا مرا کب تلک طبیب
یعنی دوائیں مجھ کو پلائے گا کب تلک

مجلس تمام گشت و بہ پایاں رسید عمر
مانند شمع مجھ کو جلائیے گا کب تلک

ملا دل اُس کے سے افسوس کیوں ہمارا دل
کہ اپنا شیشے سا اور اس کا سنگِ خارا دل
ہمارے درد کو کیا جانتے ہو آپ لگے
خدا کرے کسی بے درد سے تمہارا دل

کنار میں جسے بے صبر ہم نے پالا تھا
سو ہم سے اب وہی کرنے لگا کنارا دل

اپنا کہہ کہہ کے رو رہا ہے حال ‏ اور ہمیں بھی رُلا رہا ہے دل
آمد آمد بہار کی سُن کر ‏ کیسی دھومیں مچا رہا ہے دل
چھوڑ کر کوچۂ بلا میں مجھے ‏ اُس کے کوچے میں جا رہا ہے دل
نہیں لگتا ہے دل کہیں بے صبر
کہیں جس دن سے جا رہا ہے دل

سرتاپا داغدار ہیں ہم ‏ گویا ہمہ تن بہار ہیں ہم
دل ریش، جگر فگار ہیں ہم ‏ گلزار ہیں لالہ زار ہیں ہم
ہر دم مئے عشق سے ہیں بے ہوش ‏ کہیے کچھ ہوشیار ہیں ہم
مرنا بھی نہیں ہے اختیاری ‏ ایسے بے اختیار ہیں ہم

ٹھہریں گے لحد میں کس طرح سے
گر ایسے ہی بے قرار ہیں ہم
اُس گل کے جو پاؤں میں پڑے ہیں
آنکھوں میں عدو کے خار ہیں ہم

جائیں کیونکر وہاں کریں کیا ہم
ہم تو ہیں ناتواں کریں کیا ہم
مر گئے پر اُداس وہ نہ ہوا
اُس کا اور امتحاں کریں کیا ہم
درِ جاناں کی خاک ہیں مشہور
اور نام و نشاں کریں کیا ہم
آمد و رفت وہاں کی ترک ہوئی
نہ کریں ترکِ جاں کریں کیا ہم

ہائے رے ہائے کس آفت میں گرفتار ہیں ہم
موت آتی نہیں اور زیست سے بیزار ہیں ہم
تنگ ہیں ایسے کہ اک دم کے لیے موت ہمیں
دے کوئی جان کے بدلے تو خریدار ہیں ہم

کچھ نہیں رکھتے ہیں خواہش اور اگر رکھتے ہیں ہم
صرف اِک نظّارہ منظورِ نظر رکھتے ہیں ہم
کیوں نہ پھر جینے کی رکھیں بعدِ مردن آرزو
آرزوئے مُردنِ بارِ دگر رکھتے ہیں ہم
کہہ نہ دل لے کر کہ مل کر تجھ سے کیا لے گا کوئی
دل اگر رکھتے نہیں ظالم تو سر رکھتے ہیں ہم

کہیں جائے نہ دم نکل اپنا
دیکھ مت جھک کے سوئے در ہر دم
غمِ دنیا و دیں سے فارغ ہیں
جب سے تشریف لائے حضرتِ غم

تیرے غم میں مدام روتے ہیں ‌ ‌ صبح سے تا بشام روتے ہیں
کون ہیں کیا یہ کرتے ہیں مت پوچھ ‌ ‌ ہیں تمہارے غلام روتے ہیں
کہیں جائے نکل نہ اشک کے ساتھ ‌ ‌ دل کو ہم تھام تھام روتے ہیں

ہائے رے کیا کیجیے اُٹھتے نہیں ہیں مدّعی
اور ہم کچھ اُن سے اپنا مدّعا کہنے کو ہیں
عزم کوئے یار گر تجھ کو ہے تو اک دم ٹھہر
ہم بھی کچھ پیغام تجھ سے اے صبا کہنے کو ہیں

یہ جاتے زخم اپنے دل سے کب ہیں
نمک پروردہ اپنے بھی یہ سب ہیں
ہیں جس جس جا پر اُس کے نقطۂ خال
وہ اعضا سب بدن میں منتخب ہیں
جلا لے جتنا چاہے ہم کو جوں شمع
تری محفل میں مہماں شب کے شب ہیں
ترے مجرم ترے مجرم کے مجرم
نہ تھے مجرم ترے جب ہم تو اب ہیں

رہتے ہیں منتظر ترے لاکھوں ہی راہ میں ‌ ‌ جانے فسوں ہے کیا تری کافر نگاہ میں
ہم نے شراب کھینچی ہے کعبے میں بیٹھ کر ‌ ‌ ہے اس قدر ثواب بھی اپنے گناہ میں
جب سنتے ہیں کہ واں سے چلا ہے بفرطِ شوق ‌ ‌ قاصد سے جا کے ملتے ہیں ہم آدھی راہ میں

تیری فرقت میں آہ مرتے ہیں
بخدا بے گناہ مرتے ہیں
مرضِ عشق میں طبیبو ہم
تم بھی رہنا گواہ مرتے ہیں
اُس لب و چشم کے تصوّر میں
گاہ جیتے تھے گاہ مرتے ہیں

قتل عالم کو کرے بیٹھے ہیں
پھر بھی غصّے میں بھرے بیٹھے ہیں
کیا خبر ہو مرے مرنے کی اُسے
سینکڑوں اُس پہ مرے بیٹھے ہیں

تھے بہت عاشق حریں ہم سے
نہ رہا کوئی ان غریبوں میں
غیر سے قرب و منزلت پہ نہ بھول
تھے کبھی ہم بھی یوں قریبوں میں
یوں اُدھر گھیرتے ہیں غیر کہ جوں
ایک گل لاکھ عندلیبوں میں

کیا ہے ابرو کو طاق سے نسبت
ایسا خم تو ہلال میں بھی نہیں
گردشِ چشمِ یار کیا کہیئے
ایسا رم تو غزال میں بھی نہیں

میں بلند آوازگی سے ہر جگہ مانوس ہوں
ہوں اذاں مسجد میں اور بُت خانے میں ناقوس ہوں
گرچہ میں زنداں میں ہوں ہے لیک دل صحرا نورد
قیدِ ہستی میں برنگِ بوئے گل محبوس ہوں

دم میں یاں کرتے ہوا اور دم میں نہیں
آپ سا دم باز عالم میں کہیں
جم گئے آنکھوں میں ایسے لختِ دل
جس طرح بے صبر خاتم میں نگیں

کچھ نہیں جانتے ہیں ہم اور اگر جانتے ہیں
جان پہچان کی نادانیاں کر جانتے ہیں
بے تکلف چلے آنا چلے جانا اب تو
آپ کے گھر کو بھی غیر اپنا ہی گھر جانتے ہیں
ہم سُبک روح جو گھوڑے پہ ہوا کے ہیں سوار
جان سے جانے کو اک دم کا سفر جانتے ہیں

شوگوئی کو اب فراغ کہاں   میں کہاں دل کہاں دماغ کہاں
جگرِ داغدار بے بس ہے   دل میں اب حرصِ سیرِ باغ کہاں
شعلے نکلے ہیں سنگِ قبر کو توڑ   میری تربت پہ ہے چراغ کہاں

دمِ ناصح ہے بند اک شورِ وحشت ہے زمانے میں
سُنے ہے کون طوطی کی صدا نقّارخانے میں
دلا کب خانہ داری مانعِ یادِ الٰہی ہے
کہ اُڑتا طائرِ قبلہ نما ہے آشیانے میں
جو ہیں بے صبر دریا دل، نہیں سرمایہ پاس اُن کے
کہ فوّارے کے سیم و زر نہیں ہوتا خزانے میں

گیا صیّادِ بے پروا لگا اک تیر سینے میں
تڑپتا رہ گیا مرغِ دلِ دلگیر سینے میں
کچھ ایسی بندھ گئی ہے ٹھنڈی سانسوں کی ہوا دل میں
کہ رہتا ہے ہمیشہ ان دنوں کشمیر سینے میں

اے عندلیب تجھ سے میں کس طور مات ہوں
گر ڈال ڈال تو ہے تو میں پات پات ہوں
زلف اُس کے قد سے کہتی ہے کر کے برابری
گرمی کا تو ہے دن تو میں جاڑوں کی رات ہوں
آئینہ دیکھ کر ہوا ثابت مجھے کہ میں
نقشِ برآب کی ہی طرح بے ثبات ہوں

اس کے وعدے کو تمنّا ہے وفا کی ان دنوں
ہے اجابت منتظر اپنی دُعا کی ان دنوں
آمد و رفت اُس گلی میں ہے صبا کی ان دنوں
ہم تو کیا سنتے نہیں وہ بادشا کی ان دنوں
دیکھتے ہیں ہم بتوں میں قدرت موت و حیات
ہم کو آتی ہے نظر قدرت خدا کی ان دنوں
دولت افلاس الفت نے کیا عالم غنی
خاک میں قیمت ملا دی کیمیا کی ان دنوں

آگے خرامِ ناز کے ہے دست بستہ کبک
رم نے تمہاری چشم کے توڑے ہرن کے پاؤں
ہاتھ اپنی جاں سے دھو کے وہ لایا تھا جوئے شیر
شیریں نے کیوں نہ دھو کے پیئے کوہکن کے پاؤں
مرغِ چمن نے زیست سے اپنے اُٹھایا ہاتھ
جس دم رکھا شکاری نے اندرِ چمن کے پاؤں

دشتِ جنوں میں پھرتا ہوں جو خاک چھانتا
کانٹوں سے چھلنی ہو گئے ہیں میرے چھن کے پاؤں
پہنچا نہ رتبے کو مری سرگشتگی کے وہ
گو پھرتے پھرتے تھک گئے چرخِ کہن کے پاؤں

آپ کو دیکھتا ہے دیکھو تو
آئنہ منہ لگا ہے دیکھو تو
لگا کہنے کہ آپ کا اِک روز
دیکھنا دیکھنا ہے دیکھو تو
وہ بتِ خودنما، میاں بے صبر
جلوہ گر جا بجا ہے دیکھو تو

تہمتِ شکوہ جو لگاتے ہو
شکوہ کرنا مگر سکھاتے ہو
کبھو آتے ہو اور نہ جاتے ہو
روز باتیں ہی تم بناتے ہو
سر تو حاضر ہے کاٹ لو، کیوں تم
اپنے سر کی قسم دلاتے ہو
موسمِ گل میں مثلِ برق و سحاب
گہہ ہنساتے ہو گہہ رُلاتے ہو

کہتی ہے چشم خوب رو جانے بلا جو ہو سو ہو
شرق سے غرب تک ڈبو جانے بلا جو ہو سو ہو
جس کو مزا ہے عشق کا کہتا ہے یہ وہ برملا
جانے بلا جو ہو سو ہو جانے بلا جو ہو سو ہو
سوزشِ طرزِ شعر سے پائیں گے اس کو اہلِ عقل
نام غزل میں ہو نہ ہو جانے بلا جو ہو سو ہو

○

اس دل نے کیا خراب مجھ کو   دکھلائے نہ کیا عذاب مجھ کو
باہر ہوں میں اپنے آپ سے ہی   یاں تک ہے اضطراب مجھ کو
کیا تاب ہے کہ کر سکوں جواب صبر   نے صبر ہے اور نہ تاب مجھ کو
اے مرگ نہ مجتنب ہو مجھ سے   ہے زیست سے اجتناب مجھ کو

اس طرف کو بھی او خود آرا دیکھ   دیکھ او خود نُما خُدارا دیکھ
خواہشوں کے ہجوم سے ہوں میں تنگ   صحنِ گلشن میں اُس کو تنہا دیکھ

ایک خونی کفن ہے سو سفاک   یہ تو دُولہ ہے اور برات ہے یہ
خواب میں تو ہماری آجاؤ   دیکھتا کون ہے کہ رات ہے یہ

چاہیے کیا مجھ کو اگر چاہیے   عینِ عنایت کی نظر چاہیے
چاہ نہ اے دل بتِ سفّاک کو   زخم کے کھانے کو جگر چاہیے
چاہیے خوبوں کو ستم، رحم بھی   تھوڑا بہت چاہیے پر چاہیے

دیکھ اس کو یم آنکھوں نے بہایا میرے آگے
جو میں نے کیا تھا وہی آیا میرے آگے
جب منہ سے نقاب اُس نے اُٹھایا مرے آگے
اک نور کا عالم نظر آیا میرے آگے
وہ مہروش آیا جو مناتا میرے پیچھے
تھا نورِ مجسم مرا سایا میرے آگے

ہے سویدا جو داغ کے نیچے ہے اندھیرا چراغ کے نیچے
چشمِ پرنم میں ہے دلِ پُر داغ نہر جاری ہے باغ کے نیچے
بسترِ گُل پہ ہے وہ رشکِ چمن باغ پھولا ہے باغ کے نیچے

میرے اور اپنے کھنچے دیکھے جو پیکر روبرو
بیچ سے دو ٹکڑے اس نے کر دیئے تصویر کے
فصلِ گل کے آتے ہی یاں تک ہوا جوشِ جنوں
لاکھ ٹکڑے ایک جھٹکے میں ہوئے زنجیر کے
فیض اس کا گر نہ اے بے صبر ہوگا دستگیر
روزِ محشر ہم گریباں گیر ہوں گے میرؔ کے

ہل نہ سکتا تھا جو بیمار اس کو صحت ہوگئی
اُٹھ گیا دنیا سے آج اس کی یہ طاقت ہوگئی
آمد و رفت اس گلی میں تھی سو رفتہ رفتہ اب
ہر دم از خود رفتگی کی مجھ کو عادت ہوگئی

سنگِ در پر ترے سر مارا یہاں تک کہ ہزار
سنگ کے سر نے کیے سنگ ٹکے سر کے ٹکڑے
دھوپ میں روزِ قیامت کے بھی سوکھیں نہ کبھو
اس قدر تر ہیں مرے دامنِ تر کے ٹکڑے

ہم جل گئے اور وہ بے خبر ہے   اُلٹا مری آہ میں اثر ہے
اف آج تو دیکھیو اِدھر کو   کچھ روز ہی عالم آپ پر ہے
روتے ہیں سب اپنے اپنے گھر کو   رونے پہ جو اپنی چشم تر ہے
بے صبر وہ تیرہ روز ہوں میں   اوروں کی شب اور مری سحر ہے

ہر دم جو ترے ہاتھ میں شمشیر و سپر ہے
بے چاری اجل بھی تری اب دست نگر ہے
شب ہے جو مرے قتل کی واں عام خبر ہے
ایک خلق ہوئی جمع اِدھر اور اُدھر ہے
گر ہے سرِ بے جُرم کشی آپ کو تو پھر
کیا دیر ہے اٹھیے کہ یہ خنجر ہے یہ سر ہے

دوستو جس روز ہم مر جائیں گے   زیست گویا از سرِ نو پائیں گے
آپ مجھ کو مار کر پچھتائیں گے   کیونکہ مجھ سا پھر نہ عاشق پائیں گے
مارے جاویں تو بلا سے مارے جائیں   اُس گلی میں جائیں گے پر جائیں گے
اشک سے بہہ جائے گی ساری زمیں   آہ سے تو آسماں جل جائیں گے
قبر میں صحرا کہاں سے آئے گا   ہائے ہم دیوانے واں گھبرائیں گے
وقتِ مردن بھی نہ دیکھا اُس کا منہ   کیا خدا کو جا کے منہ دکھلائیں گے

شوقِ دیدار ہوا چاہے ہے   دل گرفتار ہوا چاہے ہے
کھینچ کر مانئِ چیں نقش اُس کا   نقشِ دیوار ہوا چاہے ہے

کر کے اقرار نظر کے سوے غیر   شاید انکار ہوا چاہے ہے
گرم بازاریِ رُسوائیِ دل   سرِ بازار ہوا چاہے ہے

زخم مجھ پر نہیں کرتا کوئی   نہیں اللہ سے ڈرتا کوئی
سالکانِ رہِ الفت میں قدم   مجھ سے آگے نہیں دھرتا کوئی
شورِ وحشت جو نہ چڑھتا اتنا   دل سے اس کے نہ اترتا کوئی
تیغِ جاں بخش کا اُس کے کشتہ   تا قیامت نہیں مرتا کوئی

سب مری نعش لیے جاتے ہیں ماتم کرتے
تم بھی در تک نکل آؤ ذرا چھم چھم کرتے
بے خطا مجھ پہ جفا آپ ہیں ہر دم کرتے
جانے کیا کرتے اگر کچھ بھی خطا ہم کرتے

گرہ بندِ قبا کی اُس نے وا کی   یکایک کھُل گئی قسمت صبا کی
ہوئے ہیں کوے جاناں میں فنا ہم   قسم ہم کو شہیدِ کربلا کی

گر میرا کام تری تیغ کمر سے نکلے
کیونکہ عنقا نہ مرے بیضۂ سر سے نکلے
اُس خجل کو تری محفل میں کرے گل وہ اگر
شمع کا کام بھی پروانے کے پر سے نکلے
خوب نکلی تیرے بے صبر کی صحرا میں ہوس
پاؤں میں خار لگے ایسے کہ سر سے نکلے

وہ جو جا کر سفر کو بیٹھ رہے
ہم ترس کر خبر کو بیٹھ رہے
کچھ بھی پایا نہ درد کا باعث
چیر کر ہم جگر کو بیٹھ رہے
روتے روتے گیا ہے آخر بیٹھ
رو کے ہم اپنے گھر کو بیٹھ رہے

نہ کسی یار سے نہ ہمدم سے
دوستی اب تو ہے فقط غم سے
ہم رہیں کس طرح سے خرّم سے
تُم تو رہتے ہو ہم سے برہم سے
ذکر کیا ہے قیاس تو کیجے
مدّعی اور مقابلہ ہم سے
جو ملا گُل رخوں سے دی یارو
سب نے تشبیہہ اُس کو شبنم سے

تیرے در پہ ہم آج آویں پر آویں
بلا سے اگر جان جائے تو جائے
نہ کیا کیا اُٹھائے غم و رنج تم بن
غم و رنج بن تم نہ کیا کیا اُٹھائے
شب وعدہ کے گذرے چاروں پہر یوں
اب آئے اب آئے اب آئے آئے

کس ادا سے دیکھ پیچھے مجھ کو آتا جائے ہے
گھورتا لب کاٹتا، تیوڑے چڑھاتا جائے ہے
بل بے نفرت اُف رے استغنا کہ میری خاک سے
کیسا ہٹتا بچتا اور دامن اُٹھاتا جائے ہے
اپنے استغنا کا کہتا جائے ہے تو یوں سے حال
ہم کو وہ بے صبر در پردہ سناتا جائے ہے

خورشید اُس کو دیکھ سکے کب یہ تاب ہے
چہرے پر اُس کے نور سے اُس کے نقاب ہے

ایک آدمی کی جانِ حزیں پر عذاب ہے
تلوار کھینچ جلد کہ کارِ ثواب ہے
دل مل رہے ہیں پر نہیں کر سکتے گفتگو
ہم کو اِدھر ادب، اُدھر اُس کو حجاب ہے

* * *

اس طرح پی کے وہ شراب چلے
جوش میں اپنے جیسے آپ چلے
یوں وہ پردے میں پھرتے چلتے ہیں
جیسے بدلی میں آفتاب چلے
اُس کے کوچے میں ہونے کو [illegible]
آج جاتے ہیں شیخ و شاب چلے
اس طرح صبر دل میں آتا ہے
چور جوں پاؤں دابے اب چلے

* * *

بے قراری سی بے قراری ہے
کہ زمیں زلزلے میں ساری ہے
ہم نے مرنا بھی اختیار کیا
لیک وہ بھی نہ اختیاری ہے
موسم رعد و برق و باراں میں
شغلِ فریاد و آہ و زاری ہے
ضعفِ بے صبریاں [illegible] کہ اب
زندگانی بھی مجھ کو بھاری ہے

* * *

میرے کینے سے سینہ صاف کیجیے
خدا کے واسطے انصاف کیجیے
بڑے بدخلق بدخو بدگماں ہو
کہاں تک آپ کے اوصاف کیجیے
مرا تارِ نظر ہے نذرِ کاکل
پسند آ جائے تو مُوباف کیجیے
نہ کہیے کیا کروں گھر تیرے آ کر
عنایت کیجیے الطاف کیجیے
میاں بے صبر باندھو قافیہ سخت
غزل کو اپنی کوہِ قاف کیجیے

بعدِ مردن بھی ہے رفاقت میں
غم ملا ہے عجب رفیق مجھے
راہ میں اُس کے کیوں نہ بیٹھ رہوں
خوش ہی آیا ہے یہ طریق مجھے
ضعف سے برگِ کاہِ خشک ہوں میں
دیدۂ تر نہ کر غریق مجھے
دُرِ نایاب ہیں میرے مضمون
جانو اِک قلزمِ عمیق مجھے

پاس آئیے ذرا نہ مقامِ ہراس ہے
خدمت میں آپ کی مجھے کچھ التماس ہے
پاس آسکے رقیب یہ دور از قیاس ہے
پر کیا کروں مجھے تری خاطر کا پاس ہے

ناچیز میں رہا ہوں اگرچہ ہوں کچھ میں چیز
وہ چیز ڈھونڈتا ہوں جو چیز اپنے پاس ہے
بے صبر مر گیا تو بلا سے فدا ہوا
ابھی میں بلائیں لوں تری تو کیوں اُداس ہے

بسکہ ڈرتا ہوں میں جدائی سے
بھاگتا ہوں میں آشنائی سے
کیا جدائی کا ڈر ہے جبکہ مجھے
آشنائی ہے آشنائی سے

ناتوانی کی بھی گرانی ہے
اس قدر مجھ کو ناتوانی ہے
ہم نے پایا ہے تن میں گوہرِ ذات
مدتوں جب کہ خاک چھانی ہے

ہر طرف سے اب ترے عاشق کے اوپر وار ہے
تیر پہ ہے تیر اور تلوار پر تلوار ہے

میرا سر ہے دار پر سر عاشقوں کا خاک پر
شکر ہے سارے سروں کا میرا سر سردار ہے
داغ داغ اپنا جگر ہے دل ہمارا ریش ریش
بندہ رشکِ لالہ زار و غیرتِ گلزار ہے
کیا کروں جاؤں کہاں کس سے کہوں بے صبر حال
نے کوئی مونس ہے میرا نے کوئی غم خوار ہے

زندگانی کی مجھے صورت نظر آتی نہیں
شبِ جدائی کی معاذ اللہ کیا تاریک ہے
آرزو کر ترک تا وہ دُرِ یکتا ہو نصیب
بے طلب موتی ملے مانگے نہ ملتی بھیک ہے
دلربا دل سے مرے گل سے برنگِ بوئے گل
دُور سے ہے دُور اور نزدیک سے نزدیک ہے

انتہا ضعف کی ہے صاف نمایاں مجھ سے
رمقِ جاں میں مرا جسم ہے پنہاں مجھ سے
شور ہے وہ نہ وہاں، اور نہ یہاں وہ سنسان
شہر ویران ہے، آباد بیاباں مجھ سے
بسکہ مشکل کو سمجھ رکھتا ہے میں نے آسان
مشکلیں کرتے ہیں حل اپنے خود آسان مجھ سے
دامن دشت ہے اور پھر مرا پایۂ وحشت
پھر ہوا جوشِ جنوں دست و گریباں مجھ سے
شبِ تنہائی میں ہے صبر بقولِ غالبؔ
سایۂ خورشیدِ قیامت میں ہے پنہاں مجھ سے

مطبوعاتِ کالی داس گپتا رضاؔ

۱۔ شعلۂ خاموش (مجموعہ کلام)
۲۔ شورشِ پنہاں (")
۳۔ شاخِ گل (")
۴۔ اُجالے (نعتیہ کلام)
۵۔ گیت اور بھجن
۶۔ شعورِ غم (رثائی کلام)
۷۔ شعاعِ جاوید (رباعیات)
۸۔ دی سائلنٹ فلیم (انگریزی)
۹۔ اوڈ ٹو ایسٹ وِنڈ (")
۱۰۔ غزلِ گلاب (غزلیات)
۱۱۔ نظمِ سمندر (نظمیں)
۱۲۔ قدسی الہ آبادی اور نعت قدسی
۱۳۔ ہندوستانی مشرقی افریقہ میں
۱۴۔ علی سردار جعفری اپنی بہنوں کی نظر میں
۱۵۔ سہود سراغ
۱۶۔ فرہنگ عارفاں
۱۷۔ بہارِ اردو گلشنِ مشرقی افریقہ میں
۱۸۔ منشوراتِ جوشؔ ملسیانی
۱۹۔ مکتوباتِ جوشؔ ملسیانی
۲۰۔ جوشؔ ملسیانی مع انتخابِ کلام
۲۱۔ چکبست اور باقیاتِ چکبست
۲۲۔ کلیاتِ چکبست
۲۳۔ مقالاتِ چکبست
۲۴۔ چکبست۔ کچھ بازدید کچھ پیش رفت
۲۵۔ انتخابِ آتش و غالبؔ از چکبست
۲۶۔ متعلقاتِ غالبؔ
۲۷۔ آبِ حیات میں ترجمۂ غالبؔ
۲۸۔ دعائے صباح
۲۹۔ غالبیات چند عنوانات
۳۰۔ دیوانِ غالبؔ (۱۸۴۱) عکسی
۳۱۔ دیوانِ غالبؔ (۱۸۶۲) عکسی
۳۲۔ دیوانِ غالبؔ کامل تاریخی ترتیب سے
۳۳۔ دیوانِ غالبؔ متداول تاریخی ترتیب سے
۳۴۔ غالبؔ درونِ خانہ
۳۵۔ غالبؔ کی بعض تصانیف
۳۶۔ پنج آہنگ میں مکاتیبِ غالب
۳۷۔ غالبیات چند شخصی اور غیر شخصی حوالے
۳۸۔ اسداللہ خان غالبؔ مُرد
۳۹۔ غالبؔ کا ایک مشاق شاگرد
بالمکند بےصبر۔ حیات اور انتخابِ تصانیف
۴۰۔ غالبیات۔ کچھ مطالعے اور مشاہدے
۴۱۔ انتخابِ رُقعات و اشعارِ غالبؔ